نضر الله امرءً اسمع منا حديثًا فحفظه حتی یبلغه

ماهنامه
اشاعة

ماہنامہ اشاعۃ الحدیث حضرو

شمارہ نمبر 102

ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
فروری ۲۰۱۳ء

مدیر: حافظ زبیر علی زئی

- رسول اللہ ﷺ اور بعض غیب کی اطلاع
- کھلے راز، چھپے راز کے افتراءات کا جواب
- امام ابوداود سلیمان بن اشعث السجستانی رحمہ اللہ
- سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر اور نکاح
- مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا عقیدہ

مکتبۃ الحدیث حضرو، اٹک: پاکستان

حافظ شیر محمد

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے دس (۱۰) فضائل درج ذیل ہیں:

۱: آپ اس سمندری جہاد میں بذاتِ خود شامل تھے، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کا پہلا لشکر جو سمندر میں جہاد کرے گا، ان (مجاہدین) کے لئے (جنت) واجب ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۲۷۹۹۔۲۸۰۰، ۲۹۲۴)

۲: آپ وحی لکھتے تھے، یعنی آپ کاتبینِ وحی میں سے ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/ ۲۴۳)

۳: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی یعنی خال المومنین (مومنوں کے ماموں) ہیں۔

۴: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! انھیں (معاویہ کو) ہادی مہدی بنادے اور ان کے ذریعے سے لوگوں کو ہدایت دے۔ (سنن ترمذی: ۳۸۴۲ وقال: حسن غریب)

۵: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! معاویہ کو کتاب و حکمت سکھا اور انھیں عذاب سے بچا۔ (مسند احمد ۴/ ۱۲۷ ح ۱۷۱۵۲، صحیح ابن خزیمہ: ۱۹۳۸، وسندہ حسن)

۶: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے (خلفائے راشدین کے بعد) معاویہ سے زیادہ، حکومت کے لئے مناسب کوئی نہیں دیکھا۔ (تاریخ دمشق ۶۲/ ۱۲۱، وسندہ صحیح)

۷: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معاویہ نے صحیح کیا ہے، وہ فقیہ ہیں۔ (صحیح بخاری: ۳۷۶۵)

۸: سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد ۱/ ۲۰۸۔۲۰۹ وسندہ صحیح)

۹: ایک شخص نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بُرا کہا تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اسے کوڑے لگوائے تھے۔ (تاریخ دمشق ۶۲/ ۱۴۵، وسندہ صحیح)

۱۰: امام معافیٰ بن عمران الموصلی رحمہ اللہ (م ۱۸۵ھ) نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بڑی تعریف فرمائی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فضائلِ صحابہ رضی اللہ عنہم صحیح روایات کی روشنی میں ص ۱۲۵۔۱۳۰، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے محبت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

102

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

ماہنامہ اشاعۃ الحدیث حضرو

نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

جلد: 10 | ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ فروری ۲۰۱۳ء | شمارہ: 2

اس شمارے میں

قیمت

فی شمارہ: 25 روپے

سالانہ: 400 روپے

مع محصول ڈاک پاکستان

خط وکتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر: حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

برائے رابطہ

0302-5756937

فقہ الحدیث

أضواء المصابیح في تحقیق مشکوۃ المصابیح

۳۵۲) و عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ :

((من اكتحل فليوتر ، و من فعل فقد أحسن، و من لا فلا حرج ، و من استجمر فليوتر، من فعل فقد أحسن، و من لا فلا حرج . و من أكل فما تخلل ، فليلفظ ، وما لاك بلسانه فليبتلع ، من فعل فقد أحسن ، و من لا فلا حرج. و من أتى الغائط فليستتر ، ومن لم يجد إلا أن يجمع كثيبًا من رمل فليستدبره ، فإن الشيطان يلعب بمقاعد بني آدم ، من فعل فقد أحسن ، ومن لا فلا حرج .)) رواه أبو داود ، و ابن ماجه ، والدارمي .

اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص سُرمہ ڈالے تو طاق عدد میں ڈالے، جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

جو شخص استنجا کرے تو طاق (ڈھیلوں سے) کرے، جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ جو شخص کوئی چیز کھائے (پھر) اس کے دانتوں سے خلال کے بعد کچھ نکلے تو اسے پھینک دے اور جو اس کی زبان کے ذریعے سے نکلے تو اسے نگل لے، جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

جو شخص قضائے حاجت کے لئے جائے تو پردہ کرے، جسے کچھ بھی نہ ملے تو ریت کا ڈھیر اکٹھا کر لے، پھر اس کی طرف پشت کرے، کیونکہ شیطان انسانی شرمگاہ سے کھیلتا ہے، جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اسے ابو داود (۳۵) ابن ماجہ (۳۳۷۔۳۳۸) اور دارمی (۱/ ۱۶۹۔۱۷۰ ح ۶۶۸) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: **اس کی سند ضعیف ہے۔**

اس کا راوی حصین الحبرانی مجہول ہے۔ دیکھئے التقریب التہذیب (۱۳۹۳)

صرف حافظ ابن حبان کا اس راوی کو کتاب الثقات میں بغیر کسی صریح توثیق کے مجرد ذکر کرنا، اس وجہ سے مفید نہیں کہ وہ مجہول راویوں کی توثیق میں بہت متساہل تھے، بلکہ بعض ایسے راویوں کو بھی اپنی کتاب الثقات میں ذکر کر دیتے تھے جن کے بارے میں خود فرماتے: ''لا أدري من هو ولا ابن من هو؟'' مجھے علم نہیں کہ یہ کون شخص ہے اور کس کا بیٹا ہے؟ (۴/ ۳۷، ابان: شیخ)

ثابت ہوا کہ حصین الحبرانی کی جہالتِ حال رفع نہیں ہوئی، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

۳۵۳) و عن عبد الله بن مغفل قال قال رسول الله ﷺ :

((لا يبولن أحدكم في مستحمه ، ثم يغتسل فيه ، أو يتوضأ فيه ، فإن عامة الوسواس منه .)) رواه أبو داود ، والترمذي ، والنسائي إلا أنهما لم يذكرا : **((ثم يغتسل فيه ، أو يتوضأ فيه .))**

اور عبداللہ بن مغفل (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے غسل خانے میں پیشاب نہ کرے، پھر وہ اسی میں غسل کرتا ہے یا وضو کرتا ہے، کیونکہ عام وسوسے اسی سے ہوتے ہیں۔

اسے ابوداود (۲۷) ترمذی (۲۱ وقال: غریب) اور نسائی (۱/ ۳۴ ح ۳۶) نے روایت کیا ہے، لیکن ترمذی اور نسائی نے: ''پھر وہ اسی میں غسل کرتا ہے یا وضو کرتا ہے'' کے الفاظ بیان نہیں کیے۔

تحقیق الحدیث: **اس کی سند ضعیف ہے۔**

اسے ابن ماجہ (۳۰۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس میں وجۂ ضعف یہ ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ ثقہ امام ہونے کے باوجود مدلس بھی تھے اور مدلس کے بارے میں صحیح یہی ہے کہ بعض شرائط (مثلاً صحیحین کی تخصیص، خاص دلیل، معتبر متابعت اور معتبر شاہد) کے علاوہ اس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

تنبیہ: غسل خانے میں پیشاب کرنا ممنوع ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۲۸ وسندہ صحیح)
اس سے مراد کچے غسل خانے ہیں یا وہ غسل خانے ہیں جن میں لیٹرین نہیں ہوتی۔

۳۵۴) و عن عبد اللّٰہ بن سرجس قال قال رسول اللّٰه ﷺ : ((**لا یبولن أحدکم في جحر .**)) رواہ أبو داود ، والنسائي .

اور عبداللہ بن سَرجس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص سُوراخ میں پیشاب نہ کرے۔

اسے ابوداود (۲۹) اور نسائی (۱/ ۳۳۔۳۴ ح ۳۴) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: **اس کی سند ضعیف ہے۔**

وجۂ ضعف یہ ہے کہ اس کی سند میں قتادہ مدلس راوی ہیں اور یہ سند عن سے ہے۔

۳۵۵) و عن معاذ قال قال رسول اللّٰه ﷺ : ((**اتّقوا الملاعن الثلاثۃ : البراز فی الموارد ، و قارعۃ الطریق، والظل .**)) رواہ أبو داود ، و ابن ماجه .

اور معاذ (بن جبل رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین موجبِ لعنت کاموں سے بچو: پانی کے گھاٹ پر قضائے حاجت کرنا، راستے میں قضائے حاجت کرنا اور سایہ دار جگہ پر قضائے حاجت کرنا۔

اسے ابوداود (۲۶) اور ابن ماجہ (۳۲۸) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: **اس کی سند ضعیف ہے۔**

وجۂ ضعف یہ ہے کہ اس کے راوی ابوسعید الحمیری کی سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں، لہٰذا یہ سند منقطع ہے۔

عبدالحق الاشبیلی رحمہ اللہ (م۵۸۲ھ) نے فرمایا: ” **ولم یسمع من معاذ** “
اور ابوسعید الحمیری نے معاذ (رضی اللہ عنہ) سے (کچھ) نہیں سنا۔ (الاحکام الوسطیٰ ۱/ ۱۲۵)

ابوالحجاج المزی رحمہ اللہ (م۷۴۲ھ) نے فرمایا: ” **أراہ مرسلاً** “
میں اسے مرسل (یعنی منقطع) سمجھتا ہوں۔ (تہذیب الکمال ۸/ ۳۲۰)

نیز دیکھئے تحفۃ التحصیل فی ذکر رواۃ المراسیل لاحمد بن عبدالرحیم العراقی (ص ۳۶۶)

مسند احمد (۱/ ۲۹۹) میں اس کا ایک ضعیف شاہد بھی ہے، لیکن صحیح مسلم کی حدیث اس روایت سے بے نیاز کر دیتی ہے، جس کا متن درج ذیل ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اتقوا اللعانین.)) لعنت والے دو کاموں سے بچو!

لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! لعنت والے دو کام کون سے ہیں؟

آپ نے فرمایا: ((الذي يتخلّى في طريق الناس أو في ظلهم.))

جو شخص لوگوں کے راستے میں یا سایہ دار جگہ پر قضائے حاجت کرتا ہے۔

(صحیح مسلم ح ۲۶۹[۶۱۸])

۳۵٦) وعن أبي سعيد قال قال رسول الله ﷺ: **((لا يخرج الرجلان يضربان الغائط كاشفين عن عورتهما يتحدثان، فإن الله يمقت على ذلك.))** رواه أحمد، و أبو داود، و ابن ماجه.

اور ابوسعید (الخدری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو آدمی قضائے حاجت کے لئے (اکٹھے) ساتھ نہ نکلیں کہ اپنی شرمگاہیں ننگی کئے ہوئے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہیں، بے شک اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

اسے احمد (۳/ ۳٦ ح ۱۱۳۳۰) ابوداود (۱۵) اور ابن ماجہ (۳۴۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: **اس کی سند ضعیف ہے۔**

عکرمہ بن عمار مدلس ہیں۔ (طبقات المدلسین ۳/۸۸)

حلیۃ الاولیاء (۹/ ۴۵) میں ان کے سماع کی تصریح موجود ہے، لیکن محدثین کرام کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت میں مضطرب الحدیث (ضعیف) تھے، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

بعض علماء نے دعویٰ کیا ہے کہ ابان بن یزید نے عکرمہ بن عمار کی متابعت کر رکھی ہے لیکن مجھے یہ متابعت باسند صحیح کہیں نہیں ملی۔

امام طبرانی کی المعجم الاوسط (۱۲۸۶) میں اس سند کا ایک دوسرا رنگ ہے، لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

ابن السکن نے اس کی ایک اور سند بھی روایت (یا ذکر) کی ہے۔

(دیکھئے بیان الوہم والایہام لابن القطان ۲۶۰/۵ ح ۲۴۶۰)

اور اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

مختصر یہ کہ یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہی ہے، رہا یہ مسئلہ کہ "قضائے حاجت کے دوران میں دو آدمیوں کا باہم باتیں کرنا صحیح نہیں، تو یہ بالکل صحیح مسئلہ ہے اور شرم وحیا کا بھی یہی تقاضا ہے۔

۳۵۷) و عن زيد بن أرقم قال قال رسول الله ﷺ : ((**إن هذه الحشوش محتضرة ، فإذا أتى أحدكم الخلاء، فليقل : أعوذ بالله من الخبث والخبائث.**)) رواه أبو داود ، و ابن ماجه .

اور زید بن ارقم (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قضائے حاجت کی ان جگہوں میں شیاطین و جنات حاضر ہوتے ہیں، لہٰذا اگر تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لئے جائے تو یہ (دعا) پڑھے: ((**أعوذ بالله من الخبث والخبائث.**))

میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں اور خبیث جنیوں (کے شر) سے۔

اسے ابوداود (۶) اور ابن ماجہ (۲۹۶) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: **اس کی سند صحیح ہے۔**

نیز دیکھئے حدیث سابق: ۳۳۷

۳۵۸) و عن علي قال قال رسول الله ﷺ : ((**ستر ما بين أعين الجن و عورات بني آدم إذا دخل أحدهم الخلاء أن يقول : بسم الله .**))

رواه الترمذي ، وقال : هذا حديث غريب ، و إسناده ليس بقوي .

اور علی (بن ابی طالب) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی بیت

الخلاء میں داخل ہو کر ''بسم اللہ'' پڑھتا ہے تو انسانی شرمگاہوں اور جنات کی آنکھوں کے درمیان پردہ پڑ جاتا ہے۔

اسے ترمذی (۶۰۶) نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے ابن ماجہ (۲۹۷) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس میں وجہ ضعف یہ ہے کہ ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی الہمدانی مدلس ہیں۔

(دیکھئے طبقات المدلسین ۳/۹۱)

اور یہ سند عن سے ہے، نیز خود امام ترمذی نے بھی اس روایت کو غیر قوی (یعنی ضعیف) قرار دیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ سنن اربعہ میں ضعیف روایات بھی ہیں، لہٰذا بعض معاصر علماء کا سنن اربعہ کی تمام روایات کو صحیح یا قابلِ عمل قرار دینا غلط ہے۔

اس روایت کے کئی ضعیف شواہد بھی ہیں، جن کی طرف انوار الصحیفہ (ص ۲۰۵ ت ۶۰۶) میں اشارہ کیا گیا ہے اور ان شواہد کے باوجود یہ روایت غیر قوی ہی ہے۔

فائدہ: امام ترمذی نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، اسے طبرانی نے (الاوسط ۳/ ۲۴۵ ح ۲۵۲۵، ۸/۳۲ ح ۷۰۶۲ میں) دو ضعیف سندوں سے روایت کیا ہے:

۱: پہلی سند میں ابراہیم بن نجیح المکی اور ابو سنان دونوں نامعلوم ہیں اور عمر بن وہب جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہے، نیز سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے اس کا سماع ثابت نہیں، لہٰذا یہ سند منقطع بھی ہے۔

۲: دوسری سند میں محمد بن نجیح بن سہل کی توثیق نامعلوم ہے، سعید بن مسلمہ الاموی ضعیف اور اعمش مدلس ہیں، نیز زید العمری نامعلوم یا زید العمی (ضعیف) ہے۔

ان تمام ضعیف شواہد کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ امام ترمذی

ضعیف + ضعیف والی مرّوجہ حسن لغیرہ کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

۳۵۹) و عن عائشة قالت : كان النبي ﷺ إذا خرج من الخلاء قال :

((**غفرانك .**)) رواه الترمذي ، و ابن ماجه ، و الدارمي .

اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے: ((**غُفْرَانَكَ .**)) (اے اللہ!) تیری بخشش چاہتا ہوں۔

اسے ترمذی (۷ وقال: غریب حسن) ابن ماجہ (۳۰۰) اور دارمی (۱/ ۱۷۴ ح ۶۸۶) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند صحیح ہے۔

اسے امام ابوداود (۳۰) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس باب میں (میرے علم کے مطابق) یہی روایت صحیح ہے اور ضعیف روایت کے لئے دیکھئے آنے والی حدیث: ۳۷۴

۳۶۰) و عن أبي هريرة قال : كان النبي ﷺ إذا أتى الخلأ أتيته بماء في تورٍ أو ركوة ، فاستنجى ، ثم مسح يده على الأرض ، ثم أتيته بإناءٍ آخر ، فتوضأ .

رواه أبو داود ، وروى الدارمي والنسائي معناه .

اور ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو میں آپ کے پاس پانی کا برتن یا چمڑے کا چھوٹا ڈول لے آتا، پھر آپ استنجا فرماتے پھر زمین (کی مٹی) پر اپنا (بایاں) ہاتھ رگڑتے، پھر میں آپ کے پاس دوسرا برتن لے آتا تو آپ وضو فرماتے تھے۔

اسے ابوداود (۴۵) نے روایت کیا ہے اور دارمی (۱/ ۱۷۳ ح ۶۸۴) اور نسائی (۱/ ۴۵ ح ۵۰ وسندہ حسن وھو حدیث صحیح کما قال النسائی) نے بھی اس مفہوم کے ساتھ بیان کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: صحیح ہے۔

اسے ابن ماجہ (۳۵۸) نے بھی روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: بہتر یہ ہے کہ استنجا کے لئے علیحدہ لوٹا ہو اور وضو کے لئے علیحدہ لوٹا ہو، جیسا کہ اس حدیث کے عموم سے ثابت ہے، تا کہ انسان ہر قسم کے وسوسوں سے بچا رہے۔

۲: استنجا کے بعد بایاں ہاتھ مٹی پر رگڑنا تا کہ خوب صاف ہو جائے، بہتر ہے اور چونکہ اصل مقصد صفائی ہے، لہٰذا اس علت کو مدنظر رکھتے ہوئے جدید ایجادات مثلاً صابون یا شیمپو سے ہاتھ دھونا بھی جائز ہے۔

۳: نیک کاموں اور جائز امور میں والدین، اساتذہ اور اکابر وغیرہم کی خدمت کرنا مثلاً وضو کروانا، ہاتھ دھلوانا وغیرہ تقریری سنت سے ثابت ہے اور بہت بڑی نیکی کا کام ہے۔

۴: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خُدامِ رسول میں سے بہت جلیل القدر اور حافظ صحابی تھے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ تمام مومنین ان سے محبت کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ صحابۂ کرام میں سے کسی ایک صحابی کی بھی توہین یا تنقیص جائز نہیں بلکہ حرام ہے، جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے اور اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ سے محبت کی جائے، ان کا مکمل احترام کیا جائے اور کسی ایک کی بھی توہین یا تنقیص ہرگز نہ کی جائے ورنہ عین ممکن ہے کہ سارے اعمال ضائع ہو جائیں۔ واللہ اعلم

۳۶۱) وعن الحكم بن سفيان قال: كان النبي ﷺ إذا بال توضأ ونضح فرجه. رواه أبو داود، والنسائي. اور حکم بن سفیان (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب پیشاب کرتے (پھر) وضو کرتے تو اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑکتے تھے۔

اسے ابوداود (۱۶۶) اور نسائی (۱/۸۶ ح ۱۳۴) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن ہے۔ نیز اسے ابن ماجہ (۴۶۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے راوی سفیان بن الحکم یا الحکم بن سفیان الثقفی کی توثیق حاکم (۱/۱۷۱، المستدرک) اور ذہبی نے کر دی ہے، لہٰذا وہ حسن الحدیث ہیں اور ان کے والد تحقیقِ راجح میں صحابی تھے (رضی اللہ عنہ) اور باقی سند صحیح ہے۔ (نیز دیکھئے التلخیص الحبیر ۱/۷۴)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب وضو کرتے تو "نضح فرجه" یعنی اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑکتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۶۷ ح ۱۷۷۵، وسندہ صحیح)

سیدنا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ جسم اور کپڑے کے درمیان پانی چھڑکتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۶۷ ح ۱۷۷۴، وسندہ صحیح)

کسی حدیث یا کسی صحابی سے شلوار پر پانی چھڑکنا ثابت نہیں اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ (تابعی) جب وضو سے فارغ ہوتے تو "**قال بکف من ماء في إزاره هكذا**" اس طرح ایک چلو پانی ازار (تہبند) میں ڈالتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۶۷ ح ۱۷۸۰، وسندہ صحیح)

۳۶۲) وعن أميمة بنت رقيقة قالت: كان للنبي ﷺ قدح من عيدان تحت سريره يبول فيه بالليل. رواه أبو داود والنسائي.

اور اُمیمہ بنت رُقیقہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا (کھجور کی) لکڑی کا ایک پیالہ تھا جو آپ کی چارپائی کے نیچے ہوتا تھا، آپ رات کو اس میں پیشاب کرتے تھے۔

اسے ابوداود (۲۴) اور نسائی (۱/ ۳۱ ح ۳۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن ہے۔

اسے ابن حبان (الموارد: ۱۴۱) حاکم (۱/ ۱۶۷) اور ذہبی نے صحیح، نووی اور ابن حجر العسقلانی وغیرہما نے صحیح قرار دیا ہے۔ حکیمہ بنت اُمیمہ کی جمہور محدثین نے توثیق کی ہے۔

اس حسن لذاتہ حدیث سے ثابت ہوا کہ شرعی عذر کی وجہ سے رات کو برتن میں پیشاب کرنا جائز ہے، لیکن صبح ہوتے ہی اُسے بہا کر برتن صاف کر دینا چاہئے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ گھر میں برتن میں پیشاب نہ جمع کیا جائے، کیونکہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں جمع کردہ پیشاب رکھا ہوتا ہے۔

(الاوسط للطبرانی ۳/ ۵۱ ح ۲۰۹۸، مجمع الزوائد ۱/ ۲۴ وحسنہ الہیثمی وسندہ حسن، انوار السنن: ۸۲)

یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ برتن میں پیشاب کر کے اسے رکھ دیا جائے اور کئی کئی دن تک بہایا نہ جائے، لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔

رسول اللہ ﷺ اور بعض غیب کی اطلاع

سوال رسول اللہ ﷺ کو دی گئی غیبی خبریں اور علمِ غیب سے متعلق علمائے اہلِ سنت کا موقف کیا ہے؟ (ایک سائل)

الجواب ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ﴾ کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے الغیب نہیں جانتا مگر اللہ جانتا ہے۔ (النمل: ٦٥)

اس آیتِ کریمہ کی تشریح میں امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ سے فرماتا ہے کہ اے محمد! (ﷺ) قیامت کے بارے میں پوچھنے والے مشرکین سے جو کہتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ کہہ دو! اللہ نے جو علم اپنے پاس رکھا ہے اور مخلوق سے اُسے چھپا دیا ہے اُس الغیب کو آسمانوں اور زمین میں کوئی نہیں جانتا اور قیامت بھی اسی (الغیب) میں سے ہے۔ (تفسیر طبری ج ٢٠ ص ٥)

اس آیتِ کریمہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے استدلال کر کے فرمایا: ''و من زعم أن محمدًا ﷺ یعلم ما في غد فقد أعظم علی اللّٰه الفریة .'' اور جس نے دعویٰ کیا کہ محمد ﷺ جانتے تھے جو کل ہوگا تو اس نے اللہ پر بڑا افتراء باندھا، یعنی بہت بڑا جھوٹ بولا۔ (کتاب التوحید لابن خزیمہ ص ٢٢٣ ح ٣٢٤ وسندہ صحیح، المستخرج لابی نعیم الاصبہانی ١/٢٤٢ ح ٤٤٢ وسندہ صحیح، صحیح ابی عوانہ ج ١ ص ١٥٤ ح ٣٠٤)

معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب ہے، نیز اُس کا علم ہر وقت ہر چیز کو محیط ہے، وہ ''جمیع ما کان و جمیع ما یکون'' کا علم جانتا ہے اور کوئی چیز بھی اُس کے علم

سے باہر نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((**مفاتیح الغیب خمس لا یعلمها إلا الله: لا یعلم ما في غد إلا الله و لا یعلم ما تغیض الأرحام إلا الله و لا یعلم متی یأتي المطر أحد إلا الله ولا تدري نفس بأي أرض تموت ولا یعلم متی تقوم الساعة إلا الله .**)) غیب کی پانچ چابیاں ہیں جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا: کل کیا ہوگا؟ اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ارحام میں کیا پوشیدہ ہے؟ اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی، کسی جاندار کو یہ معلوم نہیں کہ زمین کے کس (حصے پر) اُس کی موت آئے گی اور اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی۔ (صحیح بخاری: ۴۶۹۷ سورۃ الرعد)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((**أوتیتُ مفاتیح کل شيءٍ إلا الخمس .**)) مجھے ہر چیز کی چابیاں دی گئی ہیں سوائے پانچ کے۔
پھر آپ نے سورۂ لقمان کی آیت (۳۴) کی تلاوت فرمائی۔

(مسند احمد ۸۵/۲۔۸۶ ح ۵۵۷۹ وسندہ صحیح، المعجم الکبیر للطبرانی ۳۶۰/۱۲۔۳۶۱ ح ۱۳۳۴۴)

تنبیہ: شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ کو بڑی غلطی لگی، انھوں نے ذکر اور عدمِ ذکر والے فلسفے کی رُو سے اس حدیث کو ''**شاذ أوله**'' قرار دے کر اپنے سلسلہ ضعیفہ میں نقل کر دیا۔ (ج ۷ ص ۳۴۸ ح ۳۳۳۵)

جبکہ اُن کے برعکس شیخ احمد محمد شاکر المصری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: ''**إسناده صحیح**'' اس کی سند صحیح ہے۔ (المسند بتحقیق احمد شاکر ۲۷۶/۷)

اس حدیث سے دو باتیں صاف ثابت ہیں:

۱: نبی ﷺ کو پانچ چیزوں کی چابیاں نہیں دی گئیں۔
۲: ان پانچ چیزوں کے علاوہ ہر چیز کی چابیاں آپ ﷺ کو دے دی گئیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**أوتي نبیکم ﷺ مفاتیح کل شيءٍ غیر خمس**'' آپ کے نبی ﷺ کو پانچ کے علاوہ سب چابیاں عطا کی گئیں۔

پھر انھوں نے سورۂ لقمان کی آیت نمبر ۳۴ تلاوت فرمائی۔

(مسند احمد ۱/۳۸۶ ح ۳۶۵۹ وسندہ حسن، مسند الحمیدی بتحقیقی: ۱۲۵، وقال ابن کثیر:" وھذا إسناد حسن " إلخ)

اس حدیث کے راوی عبداللہ بن سلمہ جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث تھے۔ (دیکھئے مسند الحمیدی بتحقیقی کا حاشیہ ح ۵۷)

عمرو بن مرہ کی روایت کی وجہ سے یہ حدیث عبداللہ بن سلمہ کے اختلاط سے پہلے کی ہے۔ اس سلسلے میں مفصل دلائل کے لئے کتبِ حدیث کی طرف رجوع فرمائیں۔

ایک آیتِ کریمہ کی تشریح میں حافظ ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''إنّ اللّٰہ یعلم الغیب جمیعہ... '' بے شک اللہ سارا (کُل کا کُل) غیب جانتا ہے...

(تفسیر ابن کثیر ۴/۴۰۳، الانبیاء: ۱۱۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ﴾ کہہ دیجئے: میں اپنی جان کے لئے نفع اور نقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے اور اگر میں الغیب جانتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔

(الاعراف: ۱۸۸)

امام ابن جریر نے لکھا ہے: اگر میں وہ جانتا جو ہونے والا ہے اور ابھی تک نہیں ہوا تو خیر کثیر اکٹھی کر لیتا۔ (تفسیر طبری ۵/۵۹۰ طبع دار الحدیث القاہرہ)

اب سوال یہ ہے کہ کیا انبیاء اور رسول بھی اللہ تعالیٰ کی اطلاع اور وحی سے بعض غیب جانتے تھے؟ تو اس کے جواب سے پہلے جلیل القدر مفسرین کرام اور علمائے عظام کے دس (۱۰) حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱: اہلِ سنت کے مشہور ثقہ امام ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) نے سورۃ الجن کی آیت نمبر ۲۶۔ ۲۷ کی تشریح میں فرمایا:

''فلا یظھر علٰی غیبہ أحدًا فیعلمہ أو یریہ إیاہ إلا من ارتضی من رسول فإنہ

يظهره علٰى ما شاء من ذلك ''پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا تا کہ وہ اسے جان لے یا دیکھ لے، سوائے رسول کے جس پر وہ راضی ہے تو اُسے اس میں سے جو چاہے اطلاع دے دیتا ہے۔ (تفسیر طبری ج۲۹ص۷۶)

۲: ابن جریر سے صدیوں پہلے مفسر قرآن امام قتادہ بن دعامہ البصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷ھ) نے فرمایا: ''**إلا من ارتضى من رسول فإنه يظهره من الغيب علٰى ماشاء إذا ارتضاه** ''سوائے جس رسول پر وہ راضی ہو، تو اسے غیب میں سے جو چاہتا ہے بتا دیتا ہے اگر اُس (یعنی اللہ تعالیٰ) کی رضامندی ہو۔ (تفسیر ابن جریر الطبری ۲۹/۷۷ وسندہ صحیح)

۳: امام ابو محمد حسین بن مسعود البغوی الفراء رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) نے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۷۹ کی تشریح میں فرمایا: ''**فيطلعه علٰى بعض علم الغيب** ''پس وہ (اللہ) اسے (اپنے رسول کو) بعض علم غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ (تفسیر بغوی ج ۱ص ۳۷۸)

امام بغوی کی اس تفسیر سے صاف ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو غیب (کی خبروں) میں سے بعض کا علم عطا فرمایا تھا۔

۴: امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۸ھ) نے فرمایا:

''**و المعنى أن من ارتضاه [للرسالة و النبوة] فإنه يطلعه علٰى ما شاء من غيبه** ''اور معنی یہ ہے کہ جسے وہ رسالت اور نبوت کے لئے چُن لے تو اُسے اپنے غیب میں سے جس پر چاہے اطلاع دے دیتا ہے۔ (الوسیط فی تفسیر القرآن المجید ۴/۳۶۹، الجن: ۲۶۔۲۷)

۵: حافظ ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) نے فرمایا: ''**و المعنى :أن من ارتضاه للرسالة أطلعه علٰى ماشاء من غيبه** ''اور معنی یہ ہے: جسے وہ رسالت کے لئے چُن لے تو اپنے غیب میں سے جس پر چاہے اُسے اطلاع دے دیتا ہے۔

(زاد المسیر ۸/۳۸۵، الجن: ۲۶۔۲۷)

۶: قاضی ابو بکر محمد بن عبداللہ عرف ابن العربی المالکی (متوفی ۵۴۳ھ) نے منافقین کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ''**و أنّ اللّٰه يطلعه علٰى ماشاء من غيبه** ''اور بے شک اللہ

اسے (سیدنا محمد ﷺ کو) اپنے غیب میں سے جو چاہے اطلاع دے دیتا ہے۔

(احکام القرآن ۱۰۳۳/۲، التوبہ: ۱۲۷)

۷: ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی الانصاری (متوفی ۶۷۱ھ) نے فرمایا:

''**فإنه یظهره علٰی مایشاء من غیبه لأنّ الرسل مؤیدون بالمعجزات و منها الإخبار عن بعض الغائبات** ''پس وہ انھیں اپنے غیب میں سے جو چاہے اطلاع دیتا ہے، کیونکہ رسولوں کی معجزات کے ساتھ تائید کی گئی اور ان (معجزات) میں سے بعض غیبوں کی خبر دینا (بھی) ہے۔ (تفسیر قرطبی ۲۷/۱۹۔ ۲۸، الجن: ۲۶۔ ۲۷)

نیز دیکھئے تفسیر قرطبی (ج ۸ ص ۲۹۹، التوبہ: ۱۲۷)

۸: امام ابوحیان محمد بن یوسف الاندلسی (متوفی ۷۴۵ھ) نے فرمایا:

''**فإنه یظهره علٰی ماشاء من ذلك** ''پس وہ اس (غیب) میں سے جو چاہے، آپ (ﷺ) کو اطلاع دے دیتا ہے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۳۴۸، الجن: ۲۶۔ ۲۷)

۹: حافظ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) نے بعض انبیاء کے بارے میں فرمایا:

''**و منهم من أطلعه علٰی ماشاء من غیبه** ''اور اُن میں سے وہ بھی ہیں جنھیں اُس (اللہ) نے اپنے غیب میں سے بعض پر اطلاع فرمائی۔ (مجموع فتاویٰ ۶۰۵/۲۸)

۱۰: حافظ ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ) نے فرمایا:

''**﴿ ولکن اللّٰه یجتبی من رسله من یشاء ﴾استدراك لما نفاه من اطلاع خلقه علی الغیب سوی الرسل فإنه یطلعهم علٰی ما یشاء من غیبه ...**''

﴿اور لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چُن لیتا ہے﴾ نفی پر استدراک ہے کہ اللہ اپنی مخلوقات میں سے رسولوں کے سوا کسی کو غیب پر اطلاع نہیں دیتا، پس وہ جو چاہتا ہے اپنے غیب میں سے انھیں اطلاع دے دیتا ہے...

(زاد المعاد ج ۳ ص ۲۲۰ فضل فی ذکر بعض الحکم والغایات المحمودۃ....)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر بیضاوی (۱۹۵/۱) تفسیر ثعلبی (۲۱۹/۳) ارشاد

القاری للقسطلانی (۷/۱۸۶) الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون (۶/۳۹۹) جلالین (ص۹۲) اضواء البیان (۲/۱۹۶) اور التفسیر الصحیح لحکمت بشیر (۴/۵۴۸) وغیرہ۔

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے ایک آیت کی تشریح میں فرمایا:

''فإنه يقتضي اطلاع الرسول علٰى بعض الغيب'' پس اس کا یہ تقاضا ہے کہ رسول کو بعض غیب پر اطلاع دی جائے۔ (فتح الباری ۸/۵۱۴ تحت ح ۴۷۷۸)

آثارِ سلف صالحین، آیاتِ کریمہ اور احادیثِ صحیحہ کا اس مسئلے میں خلاصہ درج ذیل ہے:

۱: صرف اللہ ہی عالم الغیب ہے اور یہ اس کی صفتِ خاصہ ہے جس میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔

۲: جمیع ما کان و ما یکون یعنی سارا اور کُلی علمِ غیب صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

۳: پانچ چیزوں (مثلاً قیامت وغیرہ) کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی ان پانچ چیزوں کا علم نہیں جانتا۔

۴: رسولوں اور انبیاء کو بعض علمِ غیب کی اطلاع دی گئی تھی اور وہ اسے جانتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے علمِ غیب کے بارے میں دو فرقوں کے متضاد نظریات درج ذیل ہیں:

۱: رسول اللہ ﷺ تکمیلِ قرآن کے بعد جمیع ما کان و جمیع ما یکون کا علم باذن اللہ جانتے ہیں۔ یہ بریلویہ رضاخانیہ کا عقیدہ ہے۔

اس نظریئے کی کوئی صریح دلیل قرآن، حدیث، اجماع اور آثارِ سلف صالحین سے ثابت نہیں اور نہ تکمیلِ قرآن کی متعین تاریخ کا علم کسی حدیث یا خبر میں موجود ہے۔

اس جواب کے شروع میں گزر چکا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا:

اور جس (شخص) نے دعویٰ کیا کہ (سیدنا) محمد ﷺ جانتے تھے جو کل ہوگا، تو اس نے اللہ پر بڑا افتراء باندھا یعنی بہت بڑا جھوٹ بولا۔ (صحیح ابی عوانہ: ۳۰۴)

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے یہ بات مسروق تابعی کے سامنے فرمائی تھی، جس سے ثابت ہوا کہ اُن کا یہ قول رسول اللہ ﷺ کی وفات اور تکمیلِ قرآن کے بعد کا ہے۔

۲: بعض لوگ ایک فلسفہ گھڑتے ہیں کہ جو غیب وحی یا اللہ کی طرف سے اطلاع واخبار کے ذریعے سے معلوم ہو، اسے غیب نہیں کہتے، لہٰذا نبی ﷺ کسی قسم کا غیب نہیں جانتے تھے بلکہ ایک شخص نے میرے سامنے کہا: رسول اللہ ﷺ ایک ذرا برابر غیب بھی نہیں جانتے تھے۔ **(أستغفر اللہ ، معاذ اللہ)**

یہ بعض مبتدعہ اور جدید متکلمین کا عقیدہ ہے جس کی کوئی دلیل قرآن، حدیث، اجماع اور آثارِ سلف صالحین میں موجود نہیں، بلکہ یہ عقیدہ سراسر باطل اور صریح گمراہی ہے۔

بعض آلِ دیوبند نے نبی ﷺ کے علم کی وسعت کا انکار کیا اور دوسری طرف کہا:
''شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے...''

(دیکھئے براہین قاطعہ بجواب انوارِ ساطعہ ص ۵۵)

عرض ہے کہ شیطان اور ملک الموت کی وسعتِ علم کے بارے میں نہ کوئی نص قطعی ہے، نہ خبر واحد صحیح اور نہ آثار میں سے کوئی صحیح اثر، لہٰذا مذکورہ عبارت باطل ہے اور نبی ﷺ کے علم کا شیطان کے باطل علم سے مقارنہ کرنا آپ ﷺ کی بہت بڑی توہین ہے۔

بعض آلِ دیوبند نے جمیع حیوانات وبہائم اور ہر صبی ومجنون کے ساتھ بعض علومِ غیبیہ کا انتساب کیا اور نبی ﷺ کے علم سے تشبیہانہ مقابلہ کیا۔

دیکھئے اشرفعلی تھانوی کی حفظ الایمان (مع التحریفات ص ۱۱۶، طبع انجمن ارشاد المسلمین لاہور)

یہ سارا بیان باطل اور صریح گستاخی ہے۔ ان اہلِ بدعت کے مقابلے میں اہلِ سنت والجماعۃ (اہلِ حدیث) کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جو بعض غیب اللہ تعالیٰ نے بتایا، وہ آپ جانتے تھے اور جو نہیں بتایا وہ نہیں جانتے تھے۔

حافظ ابن عبدالبر اندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) نے ایک حدیث کی تشریح میں لکھا:

''**و فیہ أنہ کان ﷺ لا یعلم الغیب و إنما کان یعلم منہ ما یظہرہ اللہ علیہ**'' اور اس حدیث میں یہ (فقہ) ہے کہ بے شک آپ ﷺ غیب نہیں جانتے تھے اور

آپ صرف وہ جانتے تھے جو اللہ آپ پر ظاہر فرماتا تھا۔

(التمہید لما فی الموطأ من المعانی والاسانید ج۶ ص۲۵۱)

ابوالولید الباجی (متوفی ۴۹۴ھ) نے ایک حدیث کی تشریح میں فرمایا:

''لأنه لا يعلم من الغيب إلا ما اطلع عليه بالوحي''

کیونکہ بے شک آپ غیب میں سے نہیں جانتے تھے سوائے اُس کے جس کی آپ کو وحی کے ذریعے سے اطلاع دی گئی تھی۔ (المنتقی شرح الموطأ ج۷ ص۱۲۹، کتاب الاقضیہ باب۱)

آخر میں بطورِ فائدہ اور بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ نبی ﷺ کا علم سب سے زیادہ ہے۔ صحابۂ کرام کا یہ تکیۂ کلام تھا اور وہ کثرت سے فرمایا کرتے تھے کہ ''اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَعْلَم'' یعنی اللہ اور رسول سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

دیکھئے صحیح بخاری (۵۳، ۸۷، ۴۲۵... ۷۴۴۷) صحیح مسلم (۸ [ترقیم دارالسلام :۹۳] ۱۷ [۱۱۶] ۳۰ [۱۴۳]... ۲۹۶۹ [۷۴۳۹]) اور موطأ امام مالک (۱۹۲/۱ ح ۴۵۲...)

عبید بن عمیر بن قتادہ اللیثی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک دن (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے صحابہ سے کہا: یہ آیت ﴿ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ ﴾ تمھارے خیال میں کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ تو انھوں نے کہا: ''اللّٰه أعلم'' اللہ سب سے زیادہ جانتا ہے۔ تو عمر (رضی اللہ عنہ) غصے ہوئے اور فرمایا: کہو ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے... الخ

(صحیح بخاری ج۲ ص۶۵۱ ح۴۵۳۸، فتح الباری ج۸ ص۲۰۲)

یعنی صاف صاف جواب دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ''اللّٰه و رسوله أعلم'' نہیں کہنا چاہئے بلکہ صرف اللّٰه أعلم کہنا چاہئے۔

مستدرک الحاکم (ج۳ ص۵۴۳ ح۶۳۰۷، مخطوط مصور ج۳ ص۲۹۱) کی ایک روایت میں ''اللّٰه و رسوله أعلم'' کے الفاظ آئے ہیں اور حاکم نے اسے ''صحيح على شرط الشيخين'' قرار دیا، لیکن اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ ضعیف ہے۔ اس کے راوی عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں

اور نہ روایت میں یہ صراحت ہے کہ انھوں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسے سنا تھا۔ واللہ اعلم

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ (مشہور اہل حدیث عالم) نے لکھا ہے:

''ہاں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کی باتوں پر مطلع فرماتا ہے جس سے بعض دفعہ ان پر منافقین کا اور ان کے حالات اور ان کی سازشوں کا راز فاش ہو جاتا ہے۔'' (احسن البیان ص ۱۶۳، حاشیہ ۳، آل عمران: ۱۷۹)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ اللہ ہی عالم الغیب ہے اور وہی الغیب جانتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بعض غیب کی اطلاع فرمائی تھی۔ (۱/مئی ۲۰۱۰ء)

کھلے راز، چھپے راز کے افتراءات کا جواب

۱: ابواحمد محمد عمر ایم اے (دیوبندی؟؟) نے دارالسلام کی شائع کردہ کتاب: نماز نبوی کے بارے میں لکھا ہے: ''اس کتاب کے حاشیہ نگار زبیر علی زئی صاحب نے ابن خزیمہ اور ابن حبان کی تقریباً ۱۶۵ روایات کو اس لئے صحیح کہا کہ وہ صحیح ابن خزیمہ یا صحیح ابن حبان میں ہیں'' (کھلے راز نمبر ۱ ص ۳)

ابواحمد (دیوبندی) کا درج بالا بیان سارے کا سارا جھوٹ اور افتراء ہے۔

راقم الحروف نے جب بھی صحیح ابن خزیمہ یا صحیح ابن حبان کی کسی حدیث کو صحیح یا حسن لکھا ہے تو ہمیشہ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدنظر رکھ کر ہی لکھا ہے۔

اگر کوئی شخص اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی رو سے کسی حدیث کا ضعیف ہونا ثابت کر دے تو ہم علانیہ رجوع کرتے ہیں اور اسی میں نجات ہے۔ ان شاء اللہ

۲: اسی ابواحمد نے لکھا ہے: ''زبیر صاحب کے بعض ماہانہ مضامین میں امام ابوحنیفہؒ کی بابت جو زبان استعمال ہوتی ہے اس کو نقل کرنے سے مجھے شرم آتی ہے'' (چھپے راز ۳/۱۰)

یہ بیان بھی جھوٹ، افتراء اور تلبیس ہے۔ [حافظ زبیر علی زئی]

حافظ زبیر علی زئی

جمہور محدثین اور مسئلۂ تدلیس

[قسط نمبر۲]

۱۳: جو ثقہ راویوں سے تدلیس کرے؟

اس کی صرف ایک ہی مثال ہے یعنی امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اور اس کا جواب آپ نے سابق عنوان کے تحت پڑھ لیا ہے۔

بعض نے امام بزار، حافظ ابن عبدالبر، کرابیسی، علائی اور ذہبی کے اقوال پیش کئے مثلاً حافظ ذہبی رحمہ اللہ (نے فرمایا): ''مدلس جو ثقات شیوخ سے تدلیس کرے تو کوئی حرج نہیں۔'' (الموقظہ:۱۳۲، مقالات اثریہ ص۲۶۹)

اور اس عبارت کے فوراً بعد حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

''**و إن كان ذا تدليس عن الضعفاء فمردود**'' اور اگر وہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے والا تھا تو (اس کی معنعن روایت) مردود ہے۔

(الموقظہ ص۱۳۲، تحقیقی مقالات ۴/ ۱۵۷)

بعض نے اس عبارت کو کیوں چھپا لیا ہے؟ اس عبارت سے تو سفیان ثوری رحمہ اللہ کی معنعن روایت کا ضعیف و مردود ہونا صاف طور پر واضح ہے، کیونکہ خود حافظ ذہبی نے فرمایا: ''**مع أنه كان يدلس عن الضعفاء و لكن له نقد و ذوق.**''
ساتھ اس کے وہ (سفیان ثوری) ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے تھے لیکن وہ نقد و ذوق رکھتے تھے۔ (میزان الاعتدال ۲/ ۱۶۹ ت۳۳۲۲)

بلکہ امام سفیان ثوری تو اپنے نزدیک غیر ثقہ راوی سے بھی تدلیس کرتے تھے۔

(دیکھئے تحقیقی مقالات ج۳ ص۳۰۶۔۳۰۷)

ضعفاء سے تدلیس کرنے والے کی معنعن روایت کا غیر مقبول ہونا صرف حافظ ذہبی سے ہی ثابت نہیں، بلکہ ابوبکر الصیرفی وغیرہ علماء کا بھی یہی مسلک ہے۔

سخاوی نے ''و إلا فلا ، قاله البزار'' کہہ کر حافظ بزار کا بھی یہی مسلک و منہج بیان کیا ہے۔ (دیکھئے فتح المغیث ۱/ ۱۸۵، طبع دارالکتب العلمیہ)

اور اس حوالے کو بھی بعض نے چھپالیا ہے۔ واللہ اعلم

بعض کا یہ کہنا: ''ابن عیینہ کا عنعنہ بالاتفاق مقبول ہے۔'' دو وجہ سے غیر مقبول ہے:

۱: ابن عیینہ ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرتے تھے۔

۲: سفیان بن عیینہ مدلسین سے بھی تدلیس کرتے تھے۔

اس دوسری بات کا جواب کہیں سے بھی نہیں آیا۔

۱۴: قبل أن يفرض التشهد

بعض نے لکھا ہے: ''امام سفیان بن عیینہ نے ایک معنعن حدیث بیان کی ہے جس میں وہ ''قبل أن يفرض التشهد'' (تشہد کی فرضیت سے قبل) کے الفاظ بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے موقف کے تناظر میں یہ روایت ضعیف ہے...''

(مقالات اثریہ ص ۲۷۳)

ہم تو اصولِ حدیث کے پابند ہیں، دوغلی اور دورُخی پالیسی کے ہرگز قائل نہیں، لہٰذا یہ سند واقعی ضعیف ہے۔ (دیکھئے انوار الصحیفہ ص ۳۳۱ ن ۱۲۷۸)

بعض علماء کا اسے صحیح یا اسناد صحیح قرار دینا اُصولِ حدیث کے اہم ترین مسئلے کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ سلام پھیرنے والا تشہد فرض واجب ہے یا سنت ہے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور راجح یہی ہے کہ یہ تشہد فرض ہے، جیسا کہ متعدد دلائل سے ثابت ہے۔ مثلاً:

۱: حدیث بخاری (۶۲۶۵) وصحیح مسلم (۵۹۔۶۰/۴۰۲)

صحیح مسلم والی حدیث (۶۰/۴۰۲) پر امام بیہقی نے باب وجوب التشهد الآخر لکھ کر وجوب یعنی فرضیتِ تشہد ثابت کی ہے۔

۲: امام بیہقی ایک (متفق علیہ) حدیث لائے ہیں، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فإذا صلّيتم فقولوا التحيات لله...))

(السنن الکبریٰ ۲/ ۱۳۷ وقال: أخرجاه في الصحيح)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امام دارقطنی وغیرہ نے اس سند کو کیوں صحیح کہا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کی بہت سی مثالیں مدلسین کے طبقۂ ثالثہ اور رابعہ کے بارے میں موجود ہیں کہ محدثین نے ان کی معنعن روایات کو حسن یا صحیح کہا ہے۔ مثلاً:

۱) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ انھوں نے اپنی سواری بٹھائی اور قبلہ رُخ پیشاب کرنے لگے پھر فرمایا: قبلہ رُخ پیشاب کرنے سے تو کھلی جگہ پر منع کیا گیا ہے، اگر تمھارے اور قبلے کے درمیان کوئی چیز ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(سنن ابی داود: ۱۱، وعنہ البیہقی ۱/ ۵۸)

اسے درج ذیل محدثین نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے:

۱: ابن خزیمہ (صحیح ابن خزیمہ: ۶۰) رواه ولم يتكلم فيه

۲: دارقطنی (۱/ ۵۸ ح ۱۵۸) قال: "هذا صحيح، كلهم ثقات"

۳: حاکم (المستدرک ۱/ ۱۵۴ ح ۵۵۱)

قال: "هذا حديث صحيح على شرط البخاري..."

۴: ذہبی (ایضاً) قال: "على شرط البخاري"

لطیفہ: بعض نے ایک "مقالہ" لکھا ہے:

"صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی کا تحقیقی جائزہ" (مقالات اثریہ ص ۴۷۹۔۵۰۸)

انھوں نے اس "مقالے" میں لکھا ہے: "بعض علماء کا حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے سکوت یا

عدمِ موافقت پر "**صححه الحاكم ووافقه الذهبي**" کا اطلاق درست نہیں کیونکہ اس نظریے کی اساس کمزور دلیل پر مبنی ہے۔" (ص ۵۰۸)

اس کی تردید کے لئے بعض کے "فاضل بھائی" مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی درج ذیل عبارتیں ہی کافی ہیں:

"**إسناده صحيح ، أخرجه أبو داود... والحاكم** (ج ۱ ص ۱۵۸) **وصححه ووافقه الذهبي**" (تخریج وتحقیق: مسند السراج ص ۴۳ تحت ح ۳۰)

"**وقال الحاكم: صحيح على شرطهما، ووافقه الذهبي**"

(ایضاً ص ۸۶ تحت ح ۱۶۹)

"**لكن صححه ابن خزيمة و ابن حبان والحاكم ووافقه الذهبي**"

(ایضاً ص ۱۸۷ تحت ح ۶۰۲)

۵: حازمی (الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار ص ۶۶)

قال: "هذا حديث حسن"

۶: حافظ ابن حجر العسقلانی (فتح الباری ۱/ ۲۴۷ تحت ح ۱۴۵) قال: "**بسند لا بأس به**"

شوکانی صاحب نے حافظ ابن حجر سے "**بإسناد حسن**" کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ واللہ اعلم

(نیل الاوطار ۱/ ۱۴۳ تحت ح ۸۹)

۷: شیخ البانی (صحیح سنن ابی داود ۱/ ۳۳ و ۳۴ ح ۸) قال: "**إسناده حسن**"

چھ سات علماء کی تصحیح وتقویتِ حدیث کے بعد عرض ہے کہ اس کی سند میں حسن بن ذکوان طبقۂ ثالثہ کا مدلس ہے۔ (طبقات المدلسین ۳/۷۰)

نیز دیکھئے الکامل لابن عدی (۵/ ۱۷۷۶۔۱۷۷۷، دوسرا نسخہ ۶/ ۲۲۱۔۲۲۲)

یاد رہے کہ اس روایت کی سند میں حسن بن ذکوان کے سماع کی تصریح نہیں ملی۔

۲) علی بن غراب نے قمقمے (دو دستوں کے تانبے یا پیتل کے گول اور صراحی نما برتن) کے بارے میں عن کے ساتھ ایک موقوف روایت بیان کی تو امام دارقطنی نے فرمایا:

"هذا إسناد صحيح." (سنن دارقطنی ۱/ ۳۷۔۳۸ ح ۸۲ وعنہ البیہقی ۱/ ۶)

علی بن غراب طبقۂ ثالثہ کا مدلس ہے۔ (۸۹/ ۳ طبقات المدلسین)

۳) ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک دعا اپنے بالغ بچوں کو سکھاتے تھے اور جو نابالغ ہوتے تو اسے لکھ کر ان کی گردن میں لٹکا دیتے تھے۔

(سنن ترمذی: ۳۵۲۸ وقال: "هذا حديث حسن غريب" المستدرک ۱/ ۵۴۸ ح ۲۰۱۰ وصححہ الحاکم)

نیز دیکھئے الترغیب والترہیب للمنذری (۲/ ۴۵۵۔۴۵۶ ح ۲۳۸۴)

اس روایت کی سند میں محمد بن اسحاق بن یسار طبقۂ رابعہ کے مدلس ہیں اور سند عن سے ہے۔

اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، لہٰذا جب اُصولِ حدیث اور اسماء الرجال میں ترجیح الجمہور کا مسئلہ ہو تو پھر روایت کی تصحیح و تحسین پیش نہیں ہو سکتی، بلکہ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو ہی ترجیح دی جاتی ہے اور یہی حق ہے۔

کیا ہم اصولوں کا راستہ چھوڑ کر بے اصولیاں اور صراط مستقیم کو چھوڑ کر دو رُخیاں اور دوغلی پالیسیاں شروع کر دیں؟ ہرگز نہیں!

۱۵: امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ

امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ کا مدلس ہونا امام ابو حاتم الرازی اور طحاوی وغیرہما سے ثابت ہے۔ (دیکھئے علل الحدیث ۱/ ۳۲۴ ح ۹۶۴، شرح معانی الآثار ۱/ ۵۵ باب مس الفرج)

بعض نے تین متاخرین (ذہبی، علائی اور ابن العجمی) اور آٹھ معاصرین کے نام پیش کر کے یہ لکھ دیا ہے: "حافظ ابن حجر کا موقف محل نظر ہے:" (مقالات اثریہ ص ۲۷۶)

اس کا ہم یہی جواب دیتے ہیں کہ سبحان اللہ!

امام زہری کی معنعن روایات اور مصححینِ حدیث والے علم الکلام کے جواب کے لئے "قبل أن يفرض التشهد" کے عنوان کے تحت تین حوالے ہی کافی ہیں۔

بعض نے سنن ابی داود (۴۵۳۴) وغیرہ کی جس ضعیف روایت کو صحیح ثابت کرنے کی

کوشش کی ہے اس سے کئی باطل مسائل پر بھی استدلال ہوسکتا ہے:

۱: اس سے بعض صحابہ کرام کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے۔ معاذ اللہ

۲: اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ بعض صحابہ نے نبی ﷺ کی تکذیب کی تھی۔ معاذ اللہ

بعض نے امام زہری کی دوسری معنعن روایت بسلسلۂ آمین بالجہر پیش کی ہے، اس روایت کی سند ضعیف ہے لیکن سنن ابی داود (۹۳۴ وسندہ حسن) وغیرہ میں اس کے حسن لذاتہ شواہد ہیں جن کے ساتھ یہ حدیث صحیح ہے۔

(دیکھئے میری کتاب: القول المتین ص ۲۶۔۲۷)

لہٰذا بعض کا شبہ فنا ہوا۔

لطیفہ: بعض نے امام زہری کے بارے میں حافظ ذہبی سے نقل کیا ہے:

''وہ بسا اوقات تدلیس کرتے تھے۔'' (میزان الاعتدال ۴/۴۰، مقالات اثریہ ص ۲۷۵)

معترض نے امام زہری کے علاوہ اور بھی کئی راویوں کو ''بسا اوقات'' تدلیس کرنے والا قرار دیا ہے۔ مثلاً عکرمہ بن عمار، محمد بن عیسیٰ الطباع، حمید الطّویل اور ابو معاویہ محمد بن خازم الضریر رحمہم اللہ۔ ان میں سے اول الذکر تینوں حافظ صاحب کی طبقاتی تقسیم کے بمطابق طبقۂ ثالثہ میں سے ہیں۔

''بسا اوقات'' کا اردو زبان میں مشہور مطلب و ترجمہ درج ذیل ہے:

۱: ''بارہا، اکثر مرتبہ، بہت دفعہ۔ بار بار'' (دیکھئے علمی اردو لغت از وارث سرہندی ص ۲۳۰)

۲: ''اکثر، بہت دفعہ'' (جامع نسیم اللغات ص ۱۶۵)

۳: ''بسا اوقات: بہت دفعہ، بارہا، اکثر۔'' (جامع اردو لغات ص ۱۲۳)

۴: ''بہت دفعہ، اکثر مرتبہ'' (فیروز اللغات ص ۲۰۳ ا)

فارسی اور اردو میں بسا کا لفظ بہت زیادہ اور کثرت پر استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ حسن اللغات، لغاتِ سعیدی اور لغاتِ کشوری وغیرہ سے ثابت ہے:

۱: ''بسا: بس کا مزید علیہ۔ اکثر۔ بہت۔ بسا کے آخر میں الف کثرت کے معنوں میں

ہے۔'' (حسن اللغات ص ۱۱۷)

۲: ''اکثر۔ بہت اور فارس کے ایک شہر کا نام ہے۔'' (لغاتِ سعیدی ص ۱۰۴)

۳: ''بہت اکثر۔ تمام اور نام ایک شہر کا فارس میں۔'' (لغاتِ کشوری ص ۶۸)

۴: ''بہت۔ اکثر۔'' (جامع اللغات ص ۸۰)

ایک جدید کتاب ''اردو لغت'' میں بسا اوقات کے دو معنی لکھے ہوئے ہیں:

''اکثر، کبھی کبھی'' (ج ۲ ص ۱۱۱۴)

لیکن بسا کا معنی ''بہت، بکثرت... اکثر، بیشتر'' ہی لکھا ہوا ہے۔ (ایضاً)

ظاہر ہے کہ ترجیح عام کتبِ لغت اور لفظِ بسا کے مفہوم کو ہی حاصل ہے، لہٰذا معترض کے اپنے کلام سے ہی امام زہری رحمہ اللہ کثیر التدلیس ثابت ہو گئے۔!

اگر کوئی کہے کہ میرا یہ مطلب نہیں تھا، تو عرض ہے کہ ذو معنی بلکہ متعارض المعنی لفظ کیوں استعمال کیا؟ کیا اردو زبان میں دوسرے الفاظ نہیں تھے یا معترض مذکور اردو لغت کی ابجد سے بھی ناواقف ہے؟!

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ عربی زبان میں ربما کا لفظ تقلیل اور تکثیر دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے، لہٰذا ''ربما دلس'' وغیرہ الفاظ سے یہ ثابت کرنا صحیح نہیں کہ فلاں راوی قلیل التدلیس تھے اور بعض کا یہ کہنا کہ ''ورنہ ''ربما'' کی صراحت بے معنی ہو گی'' بے حد عجیب و غریب ہے۔

ذو معنی بات یا استدلال کے بجائے صاف، صریح اور واضح بات کہنی چاہئے تا کہ کسی قسم کا ابہام و اشتباہ باقی نہ رہے۔

۱۶: بعض الناس کے شبہات کا رد

بعض نے اپنے مضمون کے دوسرے باب میں جو شبہات و مغالطات بطورِ تجزیہ پیش کئے ہیں، ان کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

۱۷: امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا قول

بعض نے امام ابن معین رحمہ اللہ کے قول: ''وہ جس میں تدلیس کرے تو حجت نہیں ہوتا۔'' سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس سے مراد کثیر التدلیس ہے اور فیصل خان الحلیق کی طرح استدلال کرتے ہوئے خالد الدریس وغیرہ معاصرین کے نام پیش کئے ہیں۔
متقدمین سے تہی دامن ہونے کے بعد پندرھویں صدی ہجری کے معاصرین سے استدلال کرنا منہج المتقدمین نہیں بلکہ منہج المتاخرین کہلاتا ہے۔ (نیز دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/ ۱۸۳)

۱۸: امام ابن المدینی رحمہ اللہ کا قول

امام علی بن عبداللہ المدینی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: جو شخص تدلیس کرتا ہے کیا وہ حدثنا نہ کہے تو حجت ہوتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: اگر اس پر تدلیس غالب ہو تو جب تک حدثنا نہ کہے حجت نہیں ہوتا۔ (الکفایہ ص ۳۶۲)

اس قول سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کثیر التدلیس کی معنعن روایت حجت نہیں، لیکن قلیل التدلیس کی روایت کا کیا حکم ہے؟ اس کے بارے میں یہ قول خاموش ہے۔

بعض نے لکھا ہے کہ ''جمہور قلت و کثرت کے قائل ہیں۔''

عرض ہے کہ اس بے دلیل بات کی تردید کے لئے دیکھئے مقالات (ج ۴ ص ۱۵۱۔ ۱۶۷)

۱: امام ترمذی کی طرف منسوب کتاب العلل الکبیر کے حوالے سے یہ کہنا کہ سفیان ثوری کی تدلیس کتنی کم ہے۔!! اس وجہ سے غلط ہے کہ کتاب العلل الکبیر کا مطبوعہ نسخہ امام ترمذی سے باسند صحیح ثابت ہی نہیں۔

اس کا راوی ابوحامد التاجر (احمد بن عبداللہ بن داود المروزی) مجہول الحال ہے۔

(دیکھئے الحدیث حضرو: ۳۸ ص ۳۱، الطیوریات ۲/ ۲۵۶ رقم ۷)

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ امام ترمذی کا ایک اور شاگرد ابوحامد التاجر احمد بن علی بن الحسن

بن شاذان المقرئ العابد النیسابوری یعنی ابن حسنو یہ ہے جو کہ غیر ثقہ اور مجروح ہے۔

(دیکھئے لسان المیزان ۱/۲۲۳۔۲۲۴، دوسرا نسخہ ۱/۳۳۵۔۳۳۷)

تنبیہ: راقم الحروف نے اپنی کسی سابقہ تحریر میں اگر العلل الکبیر کا کوئی حوالہ پیش کیا ہے تو وہ منسوخ اور مرجوح ہے۔

۲: امام مسلم کے قول ''ممن عرف و شهر به'' کا مطلب ہرگز نہیں کہ قلیل التدلیس کی معنعن روایت حجت ہوتی ہے۔(نیز دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/ ۱۹۷)

یاد رہے کہ سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور سلیمان التیمی وغیرہم مشہور بالتدلیس یا معروف بالتدلیس تھے، جیسا کہ اسی مضمون میں قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔(دیکھئے عنوان نمبر ۵)

۳: متقدمین مثلاً امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن سعید القطان، ابوزرعۃ الرازی اور ابوداود وغیرہم سے یہ اصول ہرگز ثابت نہیں کہ قلیل التدلیس کی معنعن روایت صحیح ہوتی ہے۔

۴: بعض نے لکھا ہے: ''امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے ہمنواؤں کی عظمتِ شان کا کسی ذی علم کو انکار نہیں، مگر وہ مصطلح الحدیث میں امام ابن مدینی، بخاری، مسلم، احمد رحمہم اللہ وغیرہ کے ہم پلہ نہیں۔ لہٰذا ان کے مقابلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف کیوں کر درست تسلیم کیا جاسکتا ہے؟''

عرض ہے کہ ائمہ مذکورین میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ امام بخاری، مسلم اور احمد سے امام شافعی رحمہ اللہ کی اس مسئلے میں مخالفت ثابت ہے۔(دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/ ۱۶۸۔۱۹۸)

مقابلہ صرف معترض کے خواب وخیال میں ہے، رہا صرف اکیلے امام ابن المدینی کا قول تو اس میں مخالفت کی صراحت نہیں بلکہ متاخرین مثلاً سخاوی ومعاصرین وغیرہم کے مجرد احتمالات سے استدلال کیا گیا ہے اور مفہومِ مخالف کو امام شافعی کی صریح دلیل کے مقابلے میں سینے سے لگایا گیا ہے۔

۵: خطیب بغدادی پر بعض کے اعتراض کا یہی جواب ہے کہ یہ ظہور احمد اور فیصل خان

الحلیق جیسے مبتدعین کا طریقہ ہے۔

۶: بعض نے متقدمین سے ایک صریح حوالہ بھی پیش نہیں کیا کہ قلیل التدلیس کی معنعن روایت صحیح ہوتی ہے اور جو غیر صریح حوالے پیش کئے ہیں ان پر تبصرہ درج ذیل ہے:

☆ امام بخاری نے سفیان ثوری کے بارے میں فرمایا: "**ما أقل تدلیسه !**"

یہ حوالہ اصل مسئلے سے غیر متعلق ہے اور امام بخاری سے باسند صحیح ثابت بھی نہیں، جیسا کہ اسی عنوان میں فقرہ نمبر۱ کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔

☆ "**ربما دلس**" "بسا اوقات تدلیس کرتے ہیں"

ان اقوال میں یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ قلیل التدلیس کی معنعن روایت صحیح ہوتی ہے۔ یہ تو نرا ظہور احمدی اور فیصل خانی طرزِ استدلال ہے۔!

یاد رہے کہ بسا اوقات کا مطلب اکثر اوقات ہے اور ربما کا استعمال بھی کثرت اور قلت دونوں پر ہوتا ہے، لہٰذا معترض کا تانا بانا منہدم ہے۔

☆ کثیر التدلیس کے الفاظ سے یہ مسئلہ کہاں سے نکل آیا کہ قلیل التدلیس کی معنعن روایت صحیح ہوتی ہے؟!

☆ مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہوئے معترض نے متاخرین میں سے سخاوی صوفی اور پندرھویں صدی کے پندرہ معاصرین کے نام پیش کئے ہیں۔ سبحان اللہ!

۱۹: امام سفیان ثوری رحمہ اللہ

امام سفیان ثوری کے بارے میں یہ پروپیگنڈا کرنا کہ وہ قلیل التدلیس تھے، اس وجہ سے بھی غلط ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: "**أعلم الناس بالثوري یحیی بن سعید، لأنه عرف صحیح حدیثه من تدلیسه .**"

لوگوں میں (سفیان) ثوری کو سب سے زیادہ جاننے والے یحییٰ بن سعید (القطان) تھے، کیونکہ وہ ان کی تدلیس (والی روایات) میں سے صحیح حدیثوں کو جانتے تھے۔

(الکامل لابن عدی ۱/ ۱۱۱، وسندہ صحیح)

امام علی بن المدینی نے فرمایا: لوگ سفیان (ثوری) کی حدیث میں یحییٰ القطان کے محتاج ہیں، کیونکہ وہ مصرح بالسماع روایات بیان کرتے تھے۔ (الکفایہ ص۳۶۲)

اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ امام سفیان ثوری کی احادیث کے لئے امام یحییٰ القطان کے محتاج تھے، لہٰذا ثابت ہوا کہ محدثین کے نزدیک سفیان ثوری مدلس ہیں بلکہ کثیر التدلیس تھے۔

امام یحییٰ القطان نے فرمایا: میں نے سفیان (ثوری) سے صرف وہی کچھ لکھا ہے، جس میں انھوں نے حدثنی اور حدثنا کہا، سوائے دو حدیثوں کے۔ (تحقیقی مقالات ۳/ ۳۰۸)

اس قول سے یہی ظاہر ہے کہ امام یحییٰ القطان کے نزدیک سفیان ثوری کثیر التدلیس تھے۔

۱: بعض نے افسوس کرتے ہوئے اسماعیل بن ابی خالد کی ایک معنعن روایت کی سند کو ضعیف کہنے پر اعتراض کیا ہے اور امام یحییٰ القطان سے اس روایت کا صحیح ہونا نقل کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مقامِ تأسف سے پہلے چار باتوں کا اثبات انتہائی ضروری ہے:

اول: کیا یحییٰ القطان اسماعیل مذکور کو طبقۂ ثانیہ کا مدلس سمجھتے تھے یا مطلقاً مدلس سمجھتے تھے؟

دوم: کیا یحییٰ القطان تک اسماعیل کی روایت معنعن ہی پہنچی تھی؟

سوم: کیا یحییٰ القطان نے اسماعیل بن ابی خالد کی یہ روایت بذاتِ خود بھی بیان کی تھی؟

چہارم: کیا یہ ضروری ہے کہ ہر مدلس راوی کا تدلیس کرنا اس کے ہر شاگرد کو ضرور بالضرور معلوم ہوتا ہے؟

اگر نہیں تو شخص مذکور کو اپنے آپ پر افسوس کرنا چاہئے، نہ کہ اصولِ حدیث کو ہی اپنی پشت پر پھینک دے۔

بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ اسماعیل بن ابی خالد کی معنعن روایات سے استدلال کے لئے فیصل خان الحلیق کی کتاب: ترویح العینین فی ردنور العینین (ترکِ رفع یدین پر ایک تاریخی دستاویز) ص۳۸۱۔۳۸۴ کا تانا بانا اور طرزِ استدلال بھی دیکھ لیں، تاکہ آنکھیں کھلی رہیں۔

۲۰: شوافع اور طبقاتی تقسیم

بعض نے لکھا ہے کہ ''شوافع ہی طبقاتی تقسیم کے بانی ہیں:''
اور پھر حافظ علائی اور حافظ ابن حجر وغیرہما کے حوالے دیئے ہیں۔
عرض ہے کہ شوافع بذاتِ خود اس طبقاتی تقسیم کے مخالف ہیں۔ مثلاً:

ا: حافظ ابن حجر نے اپنے نزدیک طبقۂ ثانیہ کے مدلس سلیمان الاعمش کی معنعن روایت کو معلول (ضعیف) قرار دیا۔ (دیکھئے التلخیص الحبیر ۳/ ۱۹ ح ۱۱۸۱)

فائدہ: سخاوی صوفی نے لکھا ہے: ''**وقد سمعته يقول: لست راضيًا عن شيئ من تصانيفي لأ ني عملتها في ابتداء الأمر ثم لم يتهيا لى من يحررها معي سوى شرح البخارى و مقدمته والمشتبة والتهذيب ولسان الميزان. بل كان يقول فيه: لو استقبلت من أمري ما استدبرت لم أتقيد بالذهبى ولجعلته كتابًا مبتكرًا. بل رأيته فى موضع أثنى علٰى شرح البخاري والتغليق والنخبة ثم قال: وإما سائر المجموعات فهي كثيرة العدد واهية العُدد، ضعيفة القوى ظامئة الروى... ''إلخ**

اور میں نے آپ (حافظ ابن حجر العسقلانی) کو فرماتے ہوئے سنا: میں اپنی کتابوں میں سے کسی چیز پر بھی راضی نہیں کیونکہ میں نے انھیں ابتدائی دور میں لکھا تھا، پھر مجھے کوئی شخص ایسا نہیں ملا جو میرے ساتھ مل کر ان (کتابوں) کی اصلاح کرتا سوائے صحیح بخاری کی شرح، اس کا مقدمہ، المشتبہ، التہذیب اور لسان المیزان کے۔

بلکہ وہ اس (لسان المیزان) کے بارے میں فرماتے تھے: اگر مجھے بعد کی باتیں پہلے معلوم ہوتیں تو میں اپنے آپ کو ذہبی کے ساتھ مقید (مشروط) نہ کرتا اور اسے بے مثال کتاب بناتا۔

بلکہ میں نے دیکھا کہ ایک مقام پر آپ نے صحیح بخاری کی شرح، تغلیق اور نخبہ کی

تعریف کی پھر فرمایا:

اور رہیں ساری کتابیں تو ان کی تعداد زیادہ ہے، تیاری کے لحاظ سے کمزور ہیں، طاقت میں کمزور ہیں (اور) پیاس نہیں بجھاتیں۔ (الجواہر والدرر ۲/ ۶۵۹)

اس کلام سے ثابت ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی صرف درج ذیل کتابوں سے ہی راضی تھے:

فتح الباری، ہدی الساری، تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ، تہذیب التہذیب، لسان المیزان، تغلیق التعلیق اور نخبۃ الفکر۔

۲: حافظ علائی نے ابن جریج اور ہشیم بن بشیر وغیرہما کو بھی طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے، حالانکہ ہشیم کثرت سے تدلیس کرتے تھے۔

(مثلاً دیکھئے المعرفۃ والتاریخ ۲/ ۶۳۳، طبقات ابن سعد ۷/ ۲۲۷)

اور ابن جریج کی تدلیس کو شر التدلیس بھی کہا گیا ہے اور وہ مکثر من التدلیس (یعنی کثرت سے تدلیس کرنے والے) بھی تھے۔

۳: نووی (شافعی) نے سفیان ثوری کو مدلس قرار دیا اور کہا:

اور مدلس کی عن والی روایت بالاتفاق حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ دوسری سند میں سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔ (شرح صحیح مسلم بحوالہ تحقیقی مقالات ۳/ ۳۱۱)

نیز اس جیسا کلام نووی نے اعمش کے بارے میں بھی فرما رکھا ہے۔ (تحقیقی مقالات ۳/ ۳۰۳)

۲۱: سرفراز خان صفدر اور طبقاتی تقسیم

بعض نے احسن الکلام (۱/ ۲۷۵۔۲۷۶، ۲۰۱، ۲۱۸، ۲۴۹) کے کچھ حوالے پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سرفراز صاحب نے طبقاتی تقسیم کو تسلیم کر رکھا تھا۔

حالانکہ سرفراز خان صفدر نے اسماعیل بن ابی خالد، ابو قلابہ الجرمی الشامی اور سفیان ثوری کی معنعن روایات پر جرح کی اور قتادہ وغیرہ کی معنعن روایات سے استدلال کیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سرفراز خان صفدر دیوبندی کے نزدیک طبقاتی تقسیم قابلِ تسلیم نہیں، یا پھر سرفراز خان صفدر نے دوغلی پالیسی اپنا رکھی تھی۔ واللہ اعلم

۲۲: محمود سعید ممدوح؟

بعض نے اپنے مقالات میں محمود سعید ممدوح کے بارے میں لکھا ہے:
''یہ متعصب حنفی بھی طبقاتی تقسیم کے قایل ہیں۔'' (ص ۲۹۷)
حالانکہ محمود کا حنفی ہونا معلوم نہیں بلکہ ارشیف ملتقی اهل الحدیث میں اسے شافعی لکھا ہوا ہے، نیز فرقۂ بریلویہ کی درج ذیل کتابوں میں بھی اسے شافعی ہی لکھا گیا ہے:

۱: الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف (ص ۳)
۲: مصنف عبدالرزاق کی پہلی جلد کے دس گم گشتہ ابواب (ص ۳۵)
۳: غاية التحجيل وترك القطع فى التفضيل / کیا مسئلہ افضلیت ظنی نہیں؟ (ص ٦٧)

بلکہ بعض عرب علماء نے محمود سعید کو رافضی کہا ہے۔
ان دو حوالوں کے بعد بعض کا یہ کہنا: ''نتیجہ واضح ہے کہ دیوبند بھی طبقاتی تقسیم کے قایل ہیں۔ ورنہ ابوالزبیر کے عنعنہ کے مقبول ہونے کا کیا مطلب؟''
اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آلِ دیوبند طبقاتی تقسیم کے قائل ہوتے تو سفیان ثوری کی معنعن روایت پر کبھی جرح نہ کرتے، حالانکہ سرفراز اور اوکاڑوی وغیرہما نے جرح کی ہے۔
ابوقلابہ کی معنعن روایت پر کبھی جرح نہ کرتے حالانکہ سرفراز نے جرح کی ہے۔
قتادہ کی معنعن روایت کو کبھی صحیح نہ کہتے، حالانکہ سرفراز وغیرہ نے قتادہ کی معنعن روایات سے استدلال کیا ہے۔

اس طرح کی بہت زیادہ مثالیں ہیں اور ان حوالوں سے آنکھیں بند کر کے یہ لکھ دینا کہ ''عجلت کا آئینہ دار ہیں'' بذاتِ خود عجلت پسندی اور جلد بازی کا ہی نتیجہ ہے۔

۲۳: امام احمد بن حنبل کا قول

امام احمد بن حنبل نے امام شافعی کی کتاب الرسالہ کو ان کی سب سے اچھی کتابوں میں سے قرار دیا اور مسئلۂ تدلیس میں ان کا کوئی رد نہیں کیا، جو اس کی دلیل ہے کہ امام احمد بھی مسئلۂ تدلیس میں امام شافعی سے متفق ہیں۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/ ۱۷۰۔۱۷۱)

بعض نے سوالات ابی داود کے حوالے کے جواب الجواب میں لکھا ہے:

''امام احمد کے قول کے مقابلے میں 'تصریح' نے راقم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔''

عرض ہے کہ امام احمد نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ قلیل التدلیس کی معنعن صحیح ہوتی ہے اور صرف کثیر التدلیس کی ضعیف ہوتی ہے، نیز معترض نے بذاتِ خود اس قول: ''أي أنك تحتج به'' کی اپنی اسی کتاب میں مخالفت کر رکھی ہے۔ (ص ۵۴۱۔۵۴۲)

نیز اسی قول کے شروع میں امام احمد سے اس شخص (جو تدلیس کی وجہ سے معروف ہے) کے بارے میں جب وہ سماع کی تصریح نہ کرے، پوچھا گیا: کیا وہ قابلِ اعتماد ہوگا؟

امام احمد نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں۔ (سوالات ابی داود: ۱۳۸)

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب نے توقف فرمایا اور ظاہر ہے کہ جس چیز کے قابلِ اعتماد ہونے میں توقف کیا جائے وہ حجت نہیں ہوتی۔ بعض نے فیصل خان بریلوی اور ظہور احمد دیوبندی کی طرح آٹھ معاصرین کے نام اپنی تائید میں لکھے ہیں۔ سبحان اللہ!

۱: بعض نے لکھا ہے: ''امام بخاری قلت تدلیس کے قائل ہیں:''

عرض ہے کہ یہ بات امام بخاری سے ثابت ہی نہیں، جبکہ امام بخاری نے قتادہ کی معنعن روایت پر لطیف انداز میں کلام کیا۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/ ۱۸۸)

نیز امام بخاری نے ابو خالد سلیمان بن حیان الاحمر کی معنعن روایت پر ''قال أحمد : أراه كان يدلس'' فرما کر تدلیس کا اعتراض کیا۔ (جزء القراءۃ: ۲۶۷)

حالانکہ ابو خالد الاحمر کا کثیر التدلیس ہونا کسی امام سے ثابت نہیں۔ (باقی آئندہ، ان شاء اللہ)

حافظ زبیر علی زئی

امام ابوداود سلیمان بن اشعث السجستانی رحمہ اللہ

نام ونسب: ابوداود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران الازدی السجستانی رحمہ اللہ

ولادت: ۲۰۲ھ

شیوخ: احمد بن حنبل، احمد بن صالح المصری، اسحاق بن راہویہ، ربیع بن سلیمان المرادی، ابوخیثمہ زہیر بن حرب، سعید بن منصور، سلیمان بن حرب، علی بن المدینی، عبداللہ بن مسلمہ القعنبی، قتیبہ بن سعید الثقفی، مسدد، ہناد بن السری، یحییٰ بن معین، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوکریب الہمدانی، ابومعاویہ الضریر اور ابوالولید الطیالسی وغیرہم۔ رحمہم اللہ

تلامیذ: ابوعیسیٰ الترمذی، ابوعبدالرحمٰن النسائی، اسماعیل بن محمد الصفار، زکریا بن یحییٰ الساجی، ابوبکر بن ابی داود، ابن ابی الدنیا، جعفر بن محمد الفریابی، ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی، احمد بن سلمان النجاد اور محمد بن مخلد الدوری وغیرہم۔ رحمہم اللہ

آپ سے سنن ابی داود کے مشہور راویوں کے نام یہ ہیں: ابوعلی اللؤلؤی، ابوبکر ابن داسہ، ابوسعید ابن الاعرابی، علی بن الحسن بن العبد، ابواسامہ محمد بن عبدالملک الرواس اور ابوسالم محمد بن سعید الجلودی وغیرہم۔ رحمہم اللہ (دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی ۲۰/ ۳۵۹)

علمی مقام: آپ کی توثیق وامامت پر اجماع ہے۔

۱: امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی نے فرمایا: "رأیته ببغداد و جاء إلی (أبي) مسلّمًا وهو ثقة" میں نے آپ کو بغداد میں دیکھا، آپ میرے والد (ابوحاتم الرازی) کے پاس سلام کہنے کے لئے آئے اور آپ ثقہ ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۴/ ۱۰۲ ت ۴۵۶)

۲: حافظ ابن حبان نے فرمایا: "وکان أبو داود أحد أئمة الدنیا فقهًا و علمًا و حفظًا و نسكًا (و ورعًا) و اتقانًا، ممن جمع و صنف و ذب عن السنن

وقمع من خالفها و انتحل ضدها." ابوداود فقہ، علم، حفظ، عبادت، پرہیز گاری اور اتقان (وثاقت) کے لحاظ سے دنیا کے اماموں میں سے تھے۔ آپ نے احادیث جمع کیں، کتابیں لکھیں، سنت کا دفاع کیا اور ان لوگوں کا قلع قمع کیا جو سنت کے مخالف تھے اور اس کے مخالف عقیدہ رکھتے تھے۔ (کتاب الثقات ۸/۲۸۲)

۳: امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی رحمہ اللہ نے اُن سے صحیح ابی عوانہ میں روایات لیں۔ (دیکھئے صحیح ابی عوانہ ۱/۴۵۷ ح ۱۶۹۶، ۳/ ۲۰۷ ح ۴۷۰۱، ۵/ ۱ ح ۷۷۵۶، وغیر ذلک)

۴: حاکم نیشاپوری نے ابوداود (وغیرہ) کی بیان کردہ ایک حدیث کو "صحیح علی شرط الشیخین" کہا۔ (المستدرک ۱/ ۳۳ ح ۹۳ ووافقہ الذہبی)

حاکم نے (غالباً تاریخ نیسابور میں) فرمایا: " إمام أهل الحديث في عصره بلا مدافعة" آپ اپنے زمانے میں بغیر کسی اختلاف کے اہلِ حدیث کے امام تھے۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۲/ ۱۹۴، وسندہ حسن)

۵: ابونصر ابن ماکولا نے کہا: "إمام مشهور" (الاکمال ۱/ ۲۹۵)

۶: محمد بن اسحاق الصاغانی نے فرمایا: "ليّن لأبي داود السجستاني الحديث كما ليّن لداود الحديد." ابوداود السجستانی کے لئے حدیث اس طرح نرم (یعنی آسان) کی گئی جس طرح داود (علیہ السلام) کے لئے لوہا نرم کیا گیا۔ (تاریخ دمشق ۲۲/ ۱۹۵، وسندہ صحیح)

۷: حافظ ذہبی نے فرمایا: "الإمام الثبت سيد الحفاظ" (تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۵۹۱ ت ۶۱۵)

اور فرمایا: "الإمام شيخ السنة ، مقدم الحفاظ " (سیر اعلام النبلاء ۱۳/ ۲۰۳)

نیز فرمایا: "وكان على مذهب السّلف في اتباع السنة و التسليم لها و ترك الخوض في مضائق الكلام." اور آپ اتباعِ سنت اور اسے قبول کرنے میں سلف صالحین کے مذہب پر تھے، آپ علمِ کلام کی تنگ گھاٹیوں میں غور وخوض ترک کرنے کے قائل تھے۔ (النبلاء ۱۳/ ۲۱۵۔۲۱۶)

۸: ابن ناصر الدین الدمشقی (متوفی ۸۴۲ھ) نے فرمایا:

”وكان ثقة نبيلاً من ذوي الدراية ، حافظًا شديد التحفظ فی الرواية “
آپ ثقہ نبیل (اور) درایت والوں میں سے تھے، حافظِ حدیث تھے (اور) روایت میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے۔(التبیان لبدیعۃ البیان ۲/ ۷۸۷)

۹: حافظ ابن کثیر المورخ والمفسر نے فرمایا:” صاحب السنن... أحد الأئمة الراحلين الجوّالين فی الآفاق و الأقاليم ...“ (البدایہ والنہایہ ۱۱/ ۳۱۰ وفیات ۲۷۵ھ)

۱۰: حافظ ابن عبدالہادی (متوفی ۷۴۴ھ) نے فرمایا:

”الإمام الثبت ، سيد الحفاظ “ (طبقات علماء الحدیث ۲/ ۲۹۰ ت ۵۸۴)

۱۱: حافظ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا: کیا بخاری ، مسلم ، ابوداود، ترمذی، نسائی ، ابن ماجہ، ابوداود طیالسی ، دارمی ، بزار ، دارقطنی ، بیہقی ، ابن خزیمہ اور ابویعلیٰ الموصلی مجتہدین میں سے تھے جنھوں نے ائمہ میں سے کسی کی تقلید نہیں کی ، یا یہ مقلدین میں سے تھے؟

انھوں نے فرمایا: بخاری اور ابوداود تو فقہ میں اہل اجتہاد میں سے دو امام (یعنی مجتہدِ مطلق) تھے اور مسلم ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ ، ابن خزیمہ ، ابویعلی ، بزار اور ان جیسے دوسرے سب اہل حدیث کے مذہب پر تھے، کسی ایک معین عالم کے مقلد نہیں تھے اور نہ وہ مجتہدین مطلق والے اماموں میں سے تھے۔الخ (مجموع فتاویٰ ۲۰/ ۳۹۔۴۰)

تنبیہ: مجتہدینِ مطلق والی بات کی نفی میں نظر ہے۔ واللہ اعلم

یہ حوالے مُشتے از خروارے ہیں۔ نیز دیکھئے تہذیب الاسماء واللغات للنووی (۲/ ۲۲۵)

علمی خدمات: آپ نے درج ذیل کتابیں لکھیں:

سنن ابی داود، کتاب القدر، کتاب الزہد، رسالۃ فی وصف تالیفہ لکتاب السنن سوالات ابی داود للامام احمد، کتاب المراسیل، فضائل الانصار، مسند مالک اور الناسخ والمنسوخ وغیرہ۔

تنبیہ: سوالات الآجری کے نام سے جو کتاب مطبوع و مخطوط ہے وہ ابو عبید الآجری (مجہول) کی وجہ سے امام ابوداود سے ثابت ہی نہیں۔

وفات: ۲۷۵ھ، رحمه الله رحمةً واسعة (۲۷/ رجب ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۸/ جون ۲۰۱۲ء)

حافظ زبیر علی زئی

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر اور نکاح

الحمدللّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الأمین،أما بعد:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح چھ یا سات سال کی عمر میں ہوا اور نو (۹) سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔

یہ حدیث خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمائی اور اسے آپ سے درج ذیل راویوں نے روایت کیا ہے:

۱) عروہ بن الزبیر بن العوام المدنی رحمہ اللہ (م ۹۴ھ)

آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے اور آپ سے یہ حدیث درج ذیل راویوں نے بیان کی ہے:

ا: ہشام بن عروہ بن الزبیر المدنی رحمہ اللہ (م ۱۴۵ھ یا ۱۴۶ھ)

ان کے شاگردوں کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ

۲: محمد بن مسلم بن عبداللہ بن عبیداللہ بن شہاب الزہری المدنی رحمہ اللہ (م ۱۲۵ھ)

یہ روایت صحیح مسلم (۳۴۸۱) مصنف عبدالرزاق (۱۰۳۴۹) السنن الکبریٰ للنسائی (۵۵۷۰) اور شرح السنۃ للبغوی (۹/ ۳۵ ح ۲۲۵۸ وقال البغوی: ھذا حدیث صحیح الاسناد) وغیرہ میں موجود ہے۔

۲) اسود بن یزید بن قیس النخعی الکوفی رحمہ اللہ (م ۷۴ھ یا ۷۵ھ)

ان سے ابراہیم نخعی نے، ابراہیم سے سلیمان الاعمش نے یہ روایت بیان کی ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم (ترقیم دارالسلام: ۳۴۸۲) مسند احمد (۶/ ۴۲) اور سنن نسائی (۳۲۶۰) وغیرہ۔

۳) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف الزہری المدنی رحمہ اللہ (م ۹۴ھ یا ۱۰۴ھ)

یہ روایت سنن نسائی (الصغریٰ: ۳۳۸۱، الکبریٰ: ۵۵۷۱) میں محمد بن ابراہیم عن ابی سلمہ کی

سند سے موجود ہے، نیز مسند اسحاق بن راہویہ (۱۱۶۴) وغیرہ میں محمد بن عمرو بن علقمہ اللیثی عن ابی سلمہ کی سند سے بھی موجود ہے۔

۴) یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب المدنی رحمہ اللہ (م۱۰۴ھ)

اسے ابو یعلیٰ الموصلی (مسند ابی یعلیٰ: ۴۶۷۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۵) عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکۃ التیمی المدنی رحمہ اللہ (م۱۱۷ھ)

اسے نسائی (الکبریٰ: ۵۳۴۵) اسحاق بن راہویہ (۱۷۸۴،۱۲۳۸) اور طبرانی (الکبیر ۲۳/ ۲۶ ح ۶۲) نے روایت کیا ہے۔

اس کے راوی اجلح بن عبداللہ الکندی الکوفی جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث ہیں۔

۶) قاسم بن محمد بن ابی بکر التیمی المدنی رحمہ اللہ (م۱۰۶ھ)

یہ روایت ابن ابی عاصم کی کتاب الآحاد والمثانی (۳۰۰۷) میں موجود ہے۔

۷) عبداللہ بن صفوان بن امیہ بن خلف الجمحی المکی رحمہ اللہ (م۷۳ھ)

یہ روایت مستدرک الحاکم (۴/۱۰ ح ۶۷۳۰) میں ہے اور اس کی سند صحیح ہے، نیز اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے۔

۸) ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود الکوفی رحمہ اللہ (م۸۲ھ)

ان کی روایت السنن الکبریٰ للنسائی (۵۳۴۹) میں ہے۔

۹) عبدالملک بن عمیر بن سوید اللخمی الکوفی رحمہ اللہ (م۱۳۶ھ)

ان کی روایت المعجم الکبیر للطبرانی (۲۳/ ۲۹-۳۰ ح ۷۴) میں ہے۔

اس تخریج سے یہ ثابت ہوا کہ ہشام بن عروہ اس حدیث میں منفرد نہیں، بلکہ دوسرے بہت سے ثقہ راویوں نے یہ حدیث بیان کی ہے، لہٰذا ہشام بن عروہ رحمہ اللہ پر منکرینِ حدیث کے تمام اعتراضات باطل و مردود ہیں۔

تنبیہ: اس باب میں سولہ (۱۶) ثقہ و صدوق راویوں کے حوالے پیش کئے گئے ہیں۔

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ کی روایت

ہشام بن عروہ سے یہ حدیث درج ذیل راویوں نے بیان کی ہے:

۱: عبدالرحمٰن بن ابی الزناد المدنی رحمہ اللہ

دیکھئے مسند احمد (۶/ ۱۱۸ ح ۲۴۸۶۷ وسندہ حسن) الجامع فی الاحکام لابن وہب (۲۶۰) المعجم الکبیر للطبرانی (۲۳/ ۲۱ ح ۴۶) اور الکفایہ للخطیب (ص ۵۸، دوسرا نسخہ ۱/ ۲۰۷-۲۰۸ ح ۱۲۹)

۲: سعید بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن جمیل القرشی المدنی رحمہ اللہ

دیکھئے الجامع لابن وہب (۴۶ وسندہ حسن) موطأ عبداللہ بن وہب (۲۵۹ بحوالہ مکتبہ شاملہ) اور الکفایہ (ص ۵۸ ح ۱۲۹)

۳: ابواسامہ حماد بن اسامہ القرشی الکوفی رحمہ اللہ

دیکھئے صحیح مسلم (۱۴۲۲) سنن ابی داود (۴۹۳۳) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۱۳/ ۹۲ ح ۳۳۹۳۹) وغیرہ۔

۴: معمر بن راشد البصری الیمنی رحمہ اللہ

دیکھئے مصنف عبدالرزاق (۱۰۳۵۰)

۵: علی بن مسہر القرشی الکوفی رحمہ اللہ

دیکھئے صحیح بخاری (۴۸۹۴، ۵۱۵۶، ۵۱۶۰) سنن ابن ماجہ (۱۸۷۶) اور سنن الدارمی (۲۳۰۷)

۶: سفیان بن عیینہ الکوفی المکی رحمہ اللہ

دیکھئے مسند الحمیدی (۲۳۳) مسند ابی عوانہ (۳/ ۷۷)

۷: وہیب بن خالد البصری رحمہ اللہ

دیکھئے صحیح بخاری (۵۱۳۴)

۸: عبدہ بن سلیمان الکلابی الکوفی رحمہ اللہ

دیکھئے صحیح مسلم (ترقیم دارالسلام: ۳۴۸۰) سنن نسائی (۳۳۷۸) اور منتقی ابن الجارود (۷۱۱) وغیرہ۔

۹: وکیع بن الجراح بن ملیح الکوفی رحمہ اللہ

دیکھئے مسند اسحاق بن راہویہ (۷۲۱)

۱۰: اسماعیل بن زکریا الکوفی رحمہ اللہ

دیکھئے سنن سعید بن منصور (۵۱۵)

۱۱: ابومعاویہ محمد بن خازم الضریر الکوفی رحمہ اللہ

دیکھئے صحیح مسلم (دار السلام : ۳۴۸۰ (سنن نسائی (۳۲۵۵) اور مسند اسحاق بن راہویہ (۷۲۲) وغیرہ

۱۲: حماد بن زید البصری رحمہ اللہ

دیکھئے سنن ابی داود (۲۱۲۱)

۱۳: حماد بن سلمہ البصری رحمہ اللہ

دیکھئے سنن ابی داود (۴۹۲۳) مسند طیالسی (۱۵۵۷) اور مسند احمد (۶/ ۲۸۰) وغیرہ

۱۴: جعفر بن سلیمان البصری رحمہ اللہ

دیکھئے السنن الکبریٰ للنسائی (۵۳۴۷)

۱۵: سفیان بن سعید الثوری الکوفی رحمہ اللہ

دیکھئے صحیح بخاری (۵۱۵۸، ۵۱۳۳)

۱۶: جریر بن عبدالحمید الضبی الکوفی الرازی رحمہ اللہ

دیکھئے (مسند عائشہ لابن ابی داود: ۳۴) اور النفقہ علی العیال لابن ابی الدنیا (۵۵۹) وغیر ذلک۔

ہشام بن عروہ کو ابو حاتم الرازی، احمد العجلی، محمد بن سعد، دارقطنی، یعقوب بن

شیبہ،ابن حبان، بخاری، مسلم،ترمذی،ابن خزیمہ،ابن حبان،ابن الجارود،حاکم،ذہبی،ابن حجر العسقلانی اور ایک جم غفیر نے ثقہ وصحیح الحدیث قرار دیا ہے،لہٰذا ان پر بعض الناس کی جرح مردود ہے۔(نیز دیکھئے میری کتاب: صحیح بخاری کا دفاع ص ۶۷-۶۸)

اگر کوئی کہے کہ ہشام بن عروہ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے(اور یہ روایت ان سے کسی مدنی نے بیان نہیں کی)تو اس کے پانچ جوابات ہیں:

۱: حافظ ذہبی نے فرمایا:اور ہشام کو کبھی اختلاط نہیں ہوا۔

(دیکھئے میزان الاعتدال ۴/ ۳۰۱،صحیح بخاری کا دفاع ص ۶۸)

۲: ہشام سے یہ روایت دو مدنیوں (عبدالرحمٰن بن ابی الزناد اور سعید بن عبدالرحمٰن) نے بیان کی ہے،جیسا کہ اسی عنوان کے تحت فقرہ نمبر ۱،۲ میں باحوالہ پیش کر دیا گیا ہے۔

۳: اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ ہشام بن عروہ نے یہ حدیث مدینے میں بیان نہیں کی تھی اور نہ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ عراقیوں نے ان سے یہ حدیث مدینہ جا کر نہیں سنی مگر صرف عراق میں ہی سنی ہے۔

۴: ہشام بن عروہ اس روایت میں منفرد نہیں، بلکہ امام زہری نے ان کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔

۵: عروہ بن زبیر بھی اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ ایک جماعت نے ان کی متابعت کی ہے،جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں بیان کر دیا گیا ہے۔

اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ نو (۹) سال کی عمر میں شادی والی یہ حدیث بالکل صحیح ہے،لہٰذا منکرینِ حدیث کا اس حدیث پر اعتراض باطل و مردود ہے۔

علمائے حق اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا

علمائے حق نے بالاتفاق اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔مثلاً:

۱: امام بخاری رحمہ اللہ (صحیح بخاری)

۲: امام مسلم رحمہ اللہ (صحیح مسلم)

۳: امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ

آپ نے فرمایا: ''ثنا هشام بن عروة و كان من جيد ما يرويه."

ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث سنائی اور وہ جو حدیثیں بیان کرتے تھے ان میں سے یہ بہت اچھی تھی۔ (مسند الحمیدی بتحقیقی:۲۳۳)

۴: ابن حبان رحمہ اللہ (صحیح ابن حبان:۷۰۹۷)

۵: ابن الجارود رحمہ اللہ (المنتقیٰ:۷۱۱)

۶: ابوعوانہ الاسفرائینی رحمہ اللہ (رواہ فی المستخرج علیٰ صحیح مسلم)

۷: حاکم رحمہ اللہ (المستدرک)

۸: ذہبی رحمہ اللہ (تلخیص المستدرک)

۹: بغوی رحمہ اللہ (شرح السنہ)

۱۰: ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ (المستخرج علیٰ صحیح مسلم۴/۸۶۔۸۷) وغیرہم۔

یہ حدیث بہت سی کتب حدیث میں موجود ہے۔جن میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:
صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، اختلاف الحدیث للشافعی، مسند الشافعی، مسند احمد، صحیح ابن حبان، صحیح ابی عوانہ، صحیح ابن الجارود یعنی المنتقیٰ، مسند الحمیدی، مسند اسحاق بن راہویہ، سنن دارمی، مسند ابی یعلیٰ الموصلی، طبقات ابن سعد، المعجم الکبیر للطبرانی، المعجم الاوسط للطبرانی، کتب البیہقی مثلاً (السنن الکبریٰ و دلائل النبوۃ ومعرفۃ السنن والآثار) شرح السنۃ للبغوی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، موطا ابن وہب، الجامع لابن وھب، مسند عائشہ لابن ابی داود اور العیال لابن ابی الدنیا وغیر ذلک۔

ہمارے علم کے مطابق خیر القرون، زمانۂ تدوینِ حدیث اور زمانۂ شارحینِ حدیث یعنی نویں صدی ہجری (۹۰۰ھ) تک کسی ثقہ وصدوق سنی عالم نے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا، لہٰذا اس کے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔

تابعین کرام میں سے درج ذیل علمائے حق سے صراحتاً یہ ثابت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح چھ یا سات سال کی عمر میں ہوا اور نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی:

۱: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ (مسند احمد ۶/۲۱۱ ح ۲۵۷۶۹ وسندہ حسن)

۲: یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب رحمہ اللہ (ایضاً وسندہ حسن)

۳: ابن ابی ملیکہ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۳/۲۶ ح ۶۲ وسندہ حسن)

۴: عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ (صحیح بخاری: ۳۸۹۶، طبقات ابن سعد ۸/۶۰ وسندہ حسن)

۵: ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ (طبقات ابن سعد ۸/۶۱ وھو حسن)

نیز دیکھئے صحیح بخاری کا دفاع (ص ۱۲۴)

اور اس مسئلے پر اجماع ہے۔ (دیکھئے البدایہ والنہایۃ لابن کثیر ۳/۱۲۹)

اجماعِ اُمت شرعی دلیل اور حجت ہے۔

(دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۹۱، اور میری کتاب: تحقیقی مقالات ج ۵ ص ۴۷ تا ۱۱۶)

خیر القرون، زمانہ تدوینِ حدیث اور زمانہ شارحینِ حدیث (یعنی ۹۰۰ھ تک) کے علمائے حق میں سے کسی ایک ثقہ وصدوق عالم سے صراحتاً یہ بات قطعاً ثابت نہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح یا رخصتی کے وقت اُن کی عمر اٹھارہ سال یا اُس کے قریب تھی اور اس سلسلے میں حبیب الرحمٰن کاندھلوی، جاوید احمد غامدی، عزیز احمد صدیقی اور بریگیڈیئر حامد سعید اختر وغیرہم منکرینِ حدیث نے جو بیت العنکبوت اور تانا بانا بُنا ہے، علم وانصاف و تحقیق کے میدان میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

تنبیہ: قرآن مجید سے بھی یہ ثابت ہے کہ نابالغہ سے نکاح ہو سکتا ہے۔

دیکھئے سورۃ الطلاق (آیت نمبر ۴)

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیشہ حق بیان کرنے، حق سننے یا پڑھنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) وما علینا إلا البلاغ

(۳۰/ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۷/۱۰/ اکتوبر ۲۰۱۲ء)

حافظ زبیر علی زئی

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا عقیدہ

شیخ عبدالوہاب بن عبدالجبار الدھلوی (م ۱۳۸۱ھ) نے لکھا ہے: ''فأخبرني أنه اضطر إليها للرد العقلي على الطائفة الشيطانية الآرية لأنهم لا يقتنعون بآيات القرآن والأحاديث ولا ينفع في إلزامهم وإفحامهم طريقة السلف إنما ينفع في الرد عليهم طريقة الخلف من المتكلمين أي الحجج العقلية المنطقية والفلسفية ، وحكى لي حكاية طريفة عن مناظرة له معهم ،قال رحمه اللّٰه :إنه حصلت مناظرة بين المسلمين وطائفة الآرية الشياطين وانعقد مجلس المناظرة بحضور جم غفير من المسلمين وغير المسلمين ،وكان المناظر عن الآرية رجلاً سفيهًا وداهية من دهاتهم ، والمناظر عن المسلمين كان عالمًا مشهورًا- ولم يسمه لي- ولكنه كان خيرًا ساذجًا على الفطرة ،فقام الشيطان الآري وسأل عن معنى آية من الآيات المتشابهات، فأجابه المناظر المسلم بأنه لا يعلم معناها إلا اللّٰه . فما كان من ذلك الشيطان اللعين إلا أن قال:فلماذا لا تدعون اللّٰه للمناظرة حتى يجيب عنكم، وإنكم إذا كنتم لا تعلمون معاني آيات كتابكم ولا تفهمونها فلماذا تدعون الناس إلى ذلك الكتاب الذي هو لغز من الألغاز حسب زعمكم ؟فسكت العالم المسلم ، وحزن المسلمون الحاضرون حزنًا شديدًا لهذه الحالة .قال الشيخ ثناء اللّٰه :فلم أستطع السكوت على هذه الحالة المؤسفة وقمت واستأذنت رئيس الجلسة في الجواب ،فأذن لي،فقلت للمناظر عن الآرية :إن الجواب الذي أجابك به حضرة الشيخ هو جواب صحيح في حد ذاته ولكنكم لا تستطيعون فهمه لقصور أفهامكم ،فأنا أجيبكم على قدر عقولكم ،ثم شرحت معنى الآية على طريقة المتكلمين ، وأوردت الحجج

العقلية في رد شبهاته واعتراضاته على تلك الآية ،فبهت ذلك الشيطان وانقطع عن المناظرة ، ففرح المسلمون . ثم قال الشيخ ثناء الله :وللتخلص من مثل هذه المآزق الحرجة كنت أستفيد من علم الكلام ،وأستعمل حجج المتكلمين في إفحام المخالفين وإلا فأنا اعتقادي مثل اعتقاد أهل السنة في عدم الحاجة إلى تأويل المتشابهات وتفويض معناها إلى الله لكن الضرورات تبيح المحظورات .''

اور میں ہر رات عشاء کے بعد ان (مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ) کے ساتھ اکٹھا ہوتا تھا، کیونکہ ہمارے محلے کے حرم کے قریب ہونے کی وجہ سے وہ ہمارے پاس سوتے تھے۔ پھر میں نے اُن سے ان مسائل کے بارے میں پوچھا جن کی وجہ سے علمائے حدیث اُن کی سخت مخالفت کررہے تھے تو انھوں نے مجھے بتایا: وہ شیطانی گروہ آریہ پر عقلی رد کی وجہ سے اس (طرزِ عمل) پر مجبور ہو گئے تھے، کیونکہ یہ گروہ قرآنی آیات واحادیث کا منکر ہے اور ان کے مقابلے میں بطورِ الزام اور ساکت کرنے کے لئے سلف صالحین کا طریقہ مفید نہیں بلکہ ان پر رد کے لئے متکلمینِ خلف یعنی عقلی منطقی و فلسفی دلائل کا طریقہ مفید ہے۔

انھوں نے میرے سامنے ایک مناظرے کا قصہ بیان کیا جس میں وہ موجود تھے۔ یہ مناظرہ مسلمانوں اور شیطان صفت آریہ گروہ کے مابین ہوا تھا۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے جم غفیر کے سامنے مجلسِ مناظرہ منعقد تھی اور آریہ کا مناظر بیوقوف آدمی اور چالاک عیار حیلہ ساز تھا جبکہ مسلمانوں کا مناظر مشہور عالم لیکن نیک اور سلیم الفطرت سادہ انسان تھا، انھوں نے عالم کا نام مجھے نہیں بتایا۔ پھر آریہ کے شیطان مناظر نے اُٹھ کر آیات متشابہات میں سے ایک آیت کے بارے میں سوال کیا تو مسلمان مناظر نے جواب دیا کہ اس کا معنی صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ پھر اس ملعون شیطان نے فوراً کہا: تم اپنی طرف سے اللہ کو مناظرے کے لئے کیوں نہیں بلا لیتے تاکہ وہ تمھاری طرف سے جواب دے؟ اور تم جب اپنی کتاب کے معنی نہیں جانتے اور نہ سمجھتے ہو تو لوگوں کو اس کتاب (قرآن) کی طرف کیوں دعوت دے رہے ہو جو تمھارے گمان میں پہیلیوں میں سے ایک پہیلی ہے؟

مسلمان عالم تو خاموش ہو گئے اور وہاں موجود مسلمان اس حالت کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان ہوئے۔

شیخ ثناء اللہ (امرتسری رحمہ اللہ) نے فرمایا: اس قابلِ افسوس حالت کی وجہ سے میں خاموش نہ رہ سکا تو کھڑا ہو کر جلسہ کے منتظم سے جواب دینے کی اجازت مانگی۔ انھوں نے مجھے اجازت دے دی تو میں نے آریہ مناظر سے کہا: حضرت شیخ نے جو جواب دیا ہے وہ اُن کی ذات کے لحاظ سے صحیح ہے، لیکن تم اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اسے سمجھ نہیں سکتے، لہٰذا میں تمھاری عقلوں کے لحاظ سے تمھیں جواب دیتا ہوں۔

پھر میں نے متکلمین کے طریقے پر اس آیت کی تشریح بیان کی اور اس آیت پر اس کے اعتراضات و شبہات کے عقلی جوابات دیئے تو وہ شیطان ہکا بکا رہ گیا اور مناظرے سے پیچھے ہٹ گیا اور مسلمان (بہت) خوش ہوئے۔

پھر شیخ ثناء اللہ (امرتسری رحمہ اللہ) نے فرمایا: اس پریشان کن تنگ گلی اور دشوار گزار مقام سے نکلنے کے لئے میں علمِ کلام سے فائدہ اُٹھاتا تھا اور مخالفین کو پُڑ (ساکت، لاجواب) کرنے کے لئے میں متکلمین کے دلائل استعمال کرتا تھا، ورنہ میرا بھی وہی عقیدہ ہے جو اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ متشابہات کی تاویل کی ضرورت نہیں اور ان کا معنی اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے لیکن (بعض اوقات) ضرورت کی وجہ سے ممنوع کام بھی جائز ہو جاتے ہیں۔ (استفدت من ھولاء المؤلفین ص ۳۱۱۔۳۱۲ طبع دار الصمیعی الریاض)

تفسیر ثنائی کے شروع میں ہاتھ کی تحریر سے عربی زبان میں ایک بیان لکھا ہوا ہے، جس کا ترجمہ و مفہوم درج ذیل ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام (حاکم) عبدالعزیز بن سعود کی زیرِ نگرانی منعقد ہونے والی مجلس شریف میں شیخ مولوی ثناء اللہ حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ شیخ عبدالواحد غزنوی حاضر ہوئے تو سب نے حاکم ایدہ اللہ سے مطالبہ کیا کہ وہ علماء کی ایک جماعت کی حاضری میں اُن کے درمیان اختلاف کا جائزہ لیں اور ان کے اقوال کا جائزہ لینے کے بعد اس بات پر اتفاق ہوا کہ شیخ

ثناء اللہ نے اپنی تفسیر میں تاویلِ استویٰ اور اس جیسی آیاتِ صفات میں متکلمین کی اتباع کرتے ہوئے جو کچھ لکھا تھا اُس سے رجوع کرلیا ہے اور اس باب میں انھوں نے سلف (صالحین) کی اتباع کرلی ہے اور یہ اقرار کیا ہے کہ بلاشبہ یہی حق ہے اور انھوں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ یہ بات ان کی تفسیر میں لکھ دی جائے (یا اپنی تفسیر میں اسے لکھنے کا التزام کیا ہے) اور شیخ عبدالواحد غزنوی اور ان کے ساتھیوں نے شیخ ثناء اللہ کے حق میں جو کلام کیا تھا، جس سے ان (شیخ ثناء اللہ) پر طعن لازم آتا تھا تو انھوں نے اس سے رجوع کر لیا ہے اور (یہ کہہ دیا ہے کہ) انھوں نے ان (شیخ ثناء اللہ) کے خلاف جو اربعین لکھی تھی اُسے جلا دیا جائے اور دونوں (گروہوں) نے اس پر رجوع کرلیا ہے کہ وہ دوبارہ (باہمی) بھائی چارہ قائم کریں گے اور اس کے منافی (امور) سے اجتناب کیا جائے۔

اس بات پر (فریقین میں) قرار (اتفاق) ہوا اور انھوں نے حاکم کے سامنے ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے اور علماء نے تصدیق کی۔ اس توفیق پر حمد و ثناء اللہ ہی کے لئے ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے اور بہترین وکیل (کارساز) ہے۔ وصلی اللہ علیٰ محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔ ۱۳۴۴ھ (ص ۲ قبل ص ۱/تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن طبع ادارہ احیاء السنۃ گوجرانوالہ)

۱۳۴۴ھ کو ۱۹۲۵ یا ۱۹۲۶ء کا دور تھا۔ ثابت ہوا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے خلاف اربعین وغیرہ کتابوں کے تمام حوالے منسوخ ہیں، لہٰذا بعض آلِ تقلید کی طرف سے یہ منسوخ کتابیں شائع کرنا یا منسوخ حوالے پیش کرنا مردود و باطل ہے۔

مروی ہے کہ ایک مصالحتی مجلس میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اپنی بعض غلطیوں کو تسلیم کیا اور فرمایا: ''بمقام آرہ میرے حق میں میری تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن کے بعض مضامین کی وجہ سے علمائے اہلحدیث ہندوستان نے جو فیصلہ صادر فرمایا ہے، میں اس کو مانتا ہوں اور میرا عمل درآمد اس پر رہے گا۔ اگر اس کے علاوہ میری کوئی غلطی، خلافِ اصول محدثین اہلسنت والجماعت ہو، ثابت کی جاوے گی تو مجھ کو اس کے مان لینے میں اور رجوع کرنے میں بھی تاول وعذر نہ ہوگا۔'' (دیکھئے سیرت ثنائی ص ۱۶ے، مقدمہ برہان التفاسیر ص ۴۲)

جاوید اقبال سیالکوٹی

جنت والدین کے قدموں کے نیچے ہے

معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میرے باپ جاہمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں جہاد میں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں اور آپ سے مشورہ لینے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تیری ماں ہے؟'' (یعنی زندہ ہے؟) اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پس اس کو لازم پکڑ (یعنی اس کی خدمت کر) بے شک جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔''

([حسن صحیح] النسائی، کتاب الجہاد، باب الرخصۃ فی التخلف لمن لہ والدۃ: ۳۱۰۴ [۳۱۰۶ بلفظ: تحت رجلیھا])

عَنْ جَاهِمَةَ قَالَ: اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَسْتَشِیْرُهٗ فِی الْجِهَادِ.

فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((اَلَكَ وَالِدَانِ؟)) قُلْتُ: نَعَمْ.

قَالَ: ((اِلْزَمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ اَرْجُلِهِمَا)).

(سیدنا) جاہمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جہاد کرنے کا مشورہ طلب کرنے آیا تو نبی ﷺ نے پوچھا: کیا تیرے والدین ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''انھیں لازم پکڑ کیونکہ جنت ان دونوں کے پاؤں تلے ہے'' ([صحیح] المعجم الکبیر للطبرانی جلد۲ ص ۲۸۹ رقم (۲۲۰۲) وقال فی المجمع (۸/ ۱۳۸) رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ ثقات)

فائدہ: والدین کے قدموں کے نیچے جنت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی اطاعت اور فرمانبرداری سے اللہ انسان کو جنت عطا فرماتے ہیں، بعض لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ شاید بیوی کے قدموں کے نیچے جنت ہے اور وہ بیوی کو خوش رکھنے کے لئے سب کو ناراض کر دیتے ہیں حتی کہ ماں باپ کی پروا نہیں کرتے۔

ایسے لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ والدین کے حقوق بیوی سے مقدم ہیں۔ (والدین اور اولاد کے حقوق ص ۱۵۔۱۶، ملخصاً مع تصرف یسیر)

Monthly AlHadith Hazro

ہمارا عزم

- قرآن وحدیث اور اجماع کی برتری
- سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار
- صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمہ کرام سے محبت
- صحیح وحسن روایات سے استدلال اور ضعیف ومردود روایات سے کلی اجتناب
- اتباعِ کتاب وسنت کی طرف والہانہ دعوت
- علمی، تحقیقی ومعلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان
- مخالفین کتاب وسنت اور اہلِ باطل پر علم ومتانت کے ساتھ بہترین وبادلائل رد
- اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدنظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث
- دینِ اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع
- قرآن وحدیث کے ذریعے اتحادِ امت کی طرف دعوت

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ "الحدیث" حضرو کا بغور مطالعہ کر کے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہر مخلصانہ اور مفید مشورے کا قدر وتشکر

alhadith_hazro2006@yahoo.com
www.zubairalizai.com